فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کے

دس سوالوں کے جوابات

اور مولینا مودودی کے جوابات پر تبصرہ

جلال الدین شمس

ناشر

الشرکۃ الاسلامیۃ لمیٹڈ

ایڈیشن دوم

فسادِ پنجاب کی تحقیقاتی عدالت

کے

دس سوالات کے جوابات

مع تبصرہ

برجوابات مولانا مودودی صاحب

ازقلم

جلال الدین شمس

الناشر۔ الشرکۃ الاسلامیہ لمیٹڈ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ

فہرست مضامین

کتاب تحقیقاتی عدالت کے دس سوالوں کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت کی طرف سے

دس سوالات اور صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے

ان کے جوابات

ظہور مسیح و مہدی کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں

فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت نے دوران تحقیقات متعلقہ جماعتوں سے دس سوالات یا دس نکات کے جوابات طلب کیے تھے جماعت اسلامی کی طرف سے مولانا مودودی صاحب نے اور اسی طرح بعض اور جماعتوں نے ان کے جوابات دیئے تھے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے ان دس سوالات کے جو جوابات دیئے گئے وہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ اور ہر ایک سوال کے جواب کے بعد مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ جوابات پر نہایت اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا جائے گا۔

(جلال الدین شمس)

پہلا سوال

ظہور مسیح و مہدی کا ذکر قرآن مجید اور احادیث میں

(الف) قرآن مجید - قرآن مجید میں مسیح اور مہدی کے ظہور کا ذکر نام لے کر تو نہیں کیا گیا۔ مگر قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ میں ایک مسیح ضرور آئے گا۔

پہلی آیت

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو یہ دعا سکھلائی ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخش جن پر تو نے انعام کیا۔ اور مغضوب علیہم اور ضالین کے راستہ سے ہمیں محفوظ رکھ۔

علامہ امام السید محمود الالوسی مفتی بغداد لکھتے ہیں:-

"اَلْمُرَادُ بِالْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمُ الْيَهُودُ وَبِالضَّالِّينَ النَّصَارٰى الخ"

ترجمہ:- کہ مغضوب علیہم سے یہودی اور الضالین سے نصاریٰ مراد ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہی معنی امام احمد بن حنبل نے اور ابن حبان اور ابن جریر نے اور ابن ابی حاتم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کئے ہیں۔ اور میرے علم کے مطابق مفسرین نے ان معنوں سے اختلاف نہیں کیا۔ (روح المعانی جلد اول ص۳۰)

ایک عظیم الشان پیشگوئی

اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کے پیروؤں کو کسی فتنہ یا شر سے ڈراتا۔ اور

اس سے بچنے کے لئے دعا سکھلاتا ہے۔ تو وہ اس لئے ہوتا ہے کہ ایک گروہ ان میں سے خدا کے علم میں اس فتنہ یا شر میں مبتلا ہونے والا مقدر ہوتا ہے۔ ورنہ اس سے بچنے کی دعا سکھانا ایک بے ضرورت اور بے حکمت فعل ہوگا۔

پس سورۂ فاتحہ میں امت کو یہود اور نصاریٰ کے راستے سے بچنے کی دعا سکھانے میں یہ پیشگوئی تھی کہ امتِ محمدیہ کے ایک طبقہ کو ان کے فتنہ و شر میں مبتلا ہونا تھا اور ان کے نقش قدم پر چلنا تھا۔ اور اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا سکھانے میں یہ پیشگوئی تھی۔ کہ امتِ محمدیہ کے ایک گروہ کو نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کے مقامات حاصل کرنا تھا چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ ذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰی لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ لَدَخَلْتُمُوْہُ قَالُوْا وَمَنْ ھُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَھْلَ الْکِتَابِ قَالَ فَمَہْ۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۳۲۷)

کہ تم ان لوگوں کے طریقوں کو اختیار کرو گے۔ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں اور تم میں اور ان میں کھلی مشابہت پیدا ہو جائے گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم اہلِ کتاب کی پیروی کریں گے؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔

اور بخاری کی روایت میں یہود و نصاریٰ کے الفاظ آئے ہیں (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۲۶) اسی طرح فرمایا۔ یہود بہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسی طرح عیسائی بھی لیکن میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی (اس کو امام بیہقی نے اور ابن حبان نے حاکم سے روایت کیا ہے (حجج الکرامہ صفحہ ۱۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"میری امّت پر بعینہٖ وہی حالت آئیگی جو بنی اسرائیل پر آئی۔ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہوگی تو میری امّت میں بھی ایسے ہوں گے جو ایسا کریں گے۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے لیکن میری امّت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی ان میں سے ایک ناجی ہوگا۔"

(مشکوٰۃ صفحہ ۲۲ مطبع محمدی بحوالہ ترمذی)

اور مولوی ابوالحسنات وغیرہ گو انہوں نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے۔

اور دوسری طرف آپ نے فرمایا امت کی اصلاح کے لئے اور عیسائیت کے مذہب کا لبطلان ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا۔ جو اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ کے گروہ میں سے کمال انعام کو جو نبوت کا انعام ہے حاصل کرے گا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ پہلی دونوں باتیں امّت محمدیہ میں ظاہر ہو چکی ہیں اور تمام مسلمان اس کا اعتراف کر چکے ہیں۔ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"بالجملہ اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سُوء کہ طالب دنیا باشند و خو گرفتہ بتقلید سلف و معرض از نصوص کتاب و سنت..... و از کلام شارع معصوم بے پرواشدہ باشند تماشہ کن کانہم ھم۔" (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر صہ مطبوعہ علمی لاہور)

کہ موجودہ زمانہ کے علماء سُوء بالکل یہودی علماء کا پورا نمونہ ہیں گویا کہ وہی ہیں۔

(۲) اور مولانا حالی اپنی مسدس میں فرماتے ہیں۔ ؎

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر ❊ تو مبعوث ہم میں بھی ہوتا پیمبر

تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر ÷ ضلالت یہود و نصاریٰ کی اکثر
یونہی جو کتاب اس پیمبر پہ آئی ÷ وہ گمراہیاں سب ہماری جتائی
(مسدس حالی ص۲۷ تاج کمپنی)

علامہ اقبال مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود ÷ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود
(بانگ درا ص۲۲۶)

الغرض دونوں قسم کے گروہ امت محمدیہ میں پیدا ہو گئے۔ امت میں تیسرے گروہ کا اعلیٰ فرد جس نے نبوت کے مقام کو حاصل کرنا تھا۔ اس کا نام حدیثوں میں مسیح رکھا گیا ہے۔

پس سورۂ فاتحہ میں جیسے پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ علماء امت کا ایک گروہ یہود و نصاریٰ بن جائیں گے اسی طرح اس میں یہ بھی پیشگوئی ہے کہ ان کے مقابلہ میں امت کی اصلاح کے لئے دین اسلام کو عیسائی مذہب پر دلائل و براہین کے ساتھ غالب ثابت کرنے کے لئے جو شخص ظاہر ہوگا وہ مسیح ابن مریم ہوگا لیکن جیسا کہ یہود اور عیسائی فرقے امت میں سے ہوں گے۔ اسی طرح آنے والا مسیح بھی امت میں سے ہوگا کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ یہود اور نصاریٰ کی برائیوں میں تو امت محمدیہ وارث ہو جائے لیکن نیکیوں اور روحانی مقامات میں ان کی وارث نہ ہو۔

دوسری آیت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ تھے جیسا کہ آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل ع۱) سے ظاہر ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے۔ جو تم پر

شاہد ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول یعنی موسٰے بھیجا تھا۔ نیز فرمایا:۔
وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ (احقاف ع ۱)
کہ بنی اسرائیل کے ایک عظیم الشان نبی یعنے موسٰی علیہ السلام نے اپنے مثیل کے آنے کی شہادت دی۔ اور یہ پیشگوئی جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ موسٰے کی کتاب استثناء باب ۱۸ میں ان الفاظ میں موجود ہے۔

"خدا تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی تیری مانند برپا کرے گا"

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مثیل موسٰے ہیں۔ اور امت محمدیہ مثیل امت موسویہ ہے اور سورۃ نور میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اللہ تعالٰی ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے اعمال صالحہ کئے۔ یہ وعدہ کرتا ہے لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کہ انہیں زمین میں ویسے ہی خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا۔

امام فخرالدین رازی کما استخلف الذین من قبلھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں

کما استخلف ھارون و یوشع و داؤد و سلیمان و
تقدیر المنظم لیستخلفنھم استخلافا کاستخلاف
من قبلھم من ھؤلاء الانبیاء علیھم السلام۔
(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۹۱)

کہ امت محمدیہ میں سے بھی اللہ تعالٰی ایسے خلیفے بنائے گا جیسے کہ ہارون یوشع اور داؤد اور سلیمان علیہم السلام کو امت موسویہ میں خلفاء بنایا تھا اور آیت کے یہ معنے ہوئے کہ ان کو خلیفے بنائے گا۔ ایسے خلیفے جیسے کہ ان سے پہلے ان انبیاء علیہم السلام کو بنایا تھا۔

پس سلسلہ محمدیہ کی سلسلہ موسویہ سے خلفاء کے لحاظ سے مشابہت تقاضا کرتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بھی ویسے ہی خلفاء ہوں۔ جیسے کہ امت موسویہ میں سے ہوئے تھے اور اس کی تشریح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآءِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِیٌّ خَلَفَهُ نَبِیٌّ فَسَیَكُوْنُ بَعْدِیْ خُلَفَاءُ فَیَكْثُرُوْنَ (بخاری جلد ۱ ص۴۹۱) کہ بنی اسرائیل کے نبی صاحب سیاست بھی ہوتے تھے۔ جب ایک نبی فوت ہو جاتا۔ تو اس کا خلیفہ نبی ہوتا لیکن میرے بعد خلفاء ہونگے اور بہت ہوں گے۔

اس حدیث میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ امت موسویہ کے خلفاء نبی صاحب سیاست ہوتے تھے لیکن میری امت میں ایسا نہیں ہوگا۔ جو نبی ہوگا وہ بادشاہ نہیں ہوگا۔ اور جو میرے خلیفے بادشاہ ہونگے وہ نبی نہیں ہونگے پس سلسلہ موسویہ کے خلفاء کے مقابلہ میں امت محمدیہ میں خلفاء ہوئے جو بادشاہ تھے لیکن نبی نہیں تھے اور سلسلہ موسویہ کے آخر میں جیسے آخری خلیفہ حضرت عیسےٰؑ نبی تھے۔ لیکن بادشاہ نہ تھے اسی طرح امت محمدیہ کے خلفاء کی امت موسویہ کے خلفاء سے مشابہت متقاضی تھی۔ کہ امت محمدیہ میں بھی آخری خلیفہ ہو جو نبی ہو اور بادشاہ نہ ہو اور مشابہت کی وجہ سے وہی نام پائے۔ جو امت موسویہ کے آخری خلیفہ کا تھا تا دونوں سلسلوں میں مشابہت تامہ پائی جائے اور لفظ کَمَا سے ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کا مسیح جو آنحضرت صلعم کا خلیفہ ہوگا وہ مسیح علیہ السلام کا غیر ہوگا جو موسےٰ علیہ السلام کے آخر میں ظاہر ہوئے کیونکہ مشبّہ اور مشبّہ بہ ایک نہیں ہو سکتے اور شیعہ کتب میں لکھا ہے کہ آیت لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ امام مہدی علیہ السلام کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور امام ابو عبداللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ آیت امام قائم (مہدی) اور ان کے اصحاب کے بارے میں

نازل ہوئی ہے یعنی اس آیت میں امام مہدی علیہ السلام کے متعلق پیشگوئی پائی جاتی ہے۔

تیسری آیت
شاہد کے آنے کی پیشگوئی

اسی طرح سورۂ ہود میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک شاہد کے آنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَّرَحْمَةً (ہود ع ۲)

ترجمہ:۔ کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر ہے اور جس کے بعد ایک شاہد خدا کی طرف سے آئیگا۔ اور جس سے پہلے موسیٰ کی کتاب لیڈر اور راہ نما اور رحمت تھی

اس آیت میں ایک تو اس شخص کا ذکر ہے جو اپنے رب کی طرف سے بیّنہ رکھتا ہو دوسرے شاہد کا ذکر ہے۔ تیسرے کتاب موسیٰ کا ذکر ہے۔ (۱) أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (یعنے وہ شخص جو خدا تعالےٰ کی طرف سے بیّنہ پر ہے) اس میں شخص سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں (ل) چنانچہ تفسیر جلالین میں آیت ہذا کی تفسیر میں لکھا ہے وھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر جلالین مطبوعہ مصر ۱۷۲) یعنی اس سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں (ب) تفسیر بیضاوی میں زیر آیت بالا لکھا ہے وقیل المراد به النبی علیه السلام (بیضاوی مطبع احمدی ۳۸۳ جلد ا) (ج) تفسیر حسینی میں ہے بعضوں نے کہا ہے کہ دلیل والے تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپ کا تابع شاہد ہے۔" (تفسیر حسینی مترجم اردو موسومہ بہ تفسیر قادری جلد اول ۴۰۴) آیت کے سیاق و سباق سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ من كان على بيّنة سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کوئی غیر نبی یا

عام مومن مراد نہیں ہو سکتا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے۔ کیونکہ اگر آیت اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ میں مَنْ سے مراد مومن ہوتے تو اگلی آیات (۱۱/۲۸-۵۳-۶۳-۸۸) میں مثالیں بھی عام مومنوں کے بیّنہ پر ہونے کی پیش کی جاتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جو مثالیں پیش کی ہیں۔ ان میں انبیاء کے اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے لازمی طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ آیت مذکورہ میں مَنْ سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

(۲) وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ۔ اس آیت میں شاہد سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں لئے جا سکتے۔ کیونکہ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ میں مَنْ سے مراد آپ ہی ہیں۔ کوئی اور شخص مراد نہیں لیا جا سکتا جیسا کہ مفسرین نے عبداللہ بن سلام وغیرہ مراد لئے ہیں کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تھے۔ بلکہ اس آیت میں شاہد سے مراد مسیح موعود ہیں اور یہ آیت اپنے اندر ایک عظیم الشان پیشگوئی رکھتی ہے کہ جب آخری زمانہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی صداقت کا دنیا میں عام طور پر انکار کیا جائے گا۔ تو خدا تعالیٰ ان کی صداقت کو از سر نو قائم کرنے کے لئے ایک شاہد مبعوث فرمائے گا۔ جو آپ کی اور قرآن کی پیروی کر کے اس عالی شان مقام پر سرفراز ہو گا۔ کیونکہ لفظ یتلوہ جیسے پیروی پر دلالت کرتا ہے ویسے ہی بعدیت پر بھی۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک شاہد آئے گا جو اس سے کمالات روحانیہ کا استفاضہ کرے گا۔ اور علیٰ وجہ البصیرت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے کمالات کو دنیا پر ظاہر کرے گا۔

شاہد نام رکھنے میں حکمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام شاہد رکھنے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی بعثت کا زمانہ ایسا ہونا تھا جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تکذیب ویسے ہی کی جاتی تھی جیسے کہ اوائل اسلام میں کی گئی۔ اور اس بات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حدیث بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَءَ میں بیان فرمایا ہے (مشکوٰۃ ص۲ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) کہ اسلام کی حالت بالکل وہی ہو جائیگی جیسی کہ ابتداء میں تھی۔ کہ وہ ایک اجنبی مسافر کی طرح بے یار و مددگار ہو جائے گا۔ اس وقت جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوگا۔ اس کی بعثت کی غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی عظمت و شان قائم کرنا ہوگی کوئی نیا دین لانا نہیں ہوگی اور وہ شہادت ہی سے ہو سکتی تھی۔ اور چونکہ شاہد کی شہادت اسی وقت زیادہ وزن دار ہو سکتی ہے جب وہ شاہد مخالفین کے نزدیک مسلّم ہو۔ اور اس امر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے ان تمام بڑے بڑے مذاہب کے انبیاء کے ذریعہ جنہوں نے مذہب اسلام پر حملہ کرنا تھا۔ اس آخری زمانہ کے شاہد کے متعلق پیشگوئی کرا دی تا جب وہ شاہد مختلف انبیاء کی پیشگوئیوں کے مطابق ظاہر ہو تو اس کی شہادت کو قبول کریں۔ پس اس آیت میں یقینی طور پر شاہد سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔

سورۃ جمعہ میں پیشگوئی

سورۃ جمعہ میں پیشگوئی پائی جاتی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری زمانہ میں بھی بعثت ہوگی چنانچہ فرمایا وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کہ اُمیوں میں بھیجا۔ ویسے ہی ان کو آخرین میں بھی بھیجے گا۔ جو اس کے نزدیک صحابہ
سے ہیں لیکن وہ ابھی ان امیوں سے نہیں ملے جن میں آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کا تزکیہ نفس کیا۔ انہیں کتاب اور حکمت سکھائی
لیکن جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان میں بروزی طور پر مبعوث
ہونگے تو وہ بھی صحابہ کے ساتھ مل جائیں گے۔ دوسرے معنے اس آیت کے
یوں ہو سکتے ہیں۔ کہ جیسے خدا تعالےٰ نے اُمیوں میں انہی میں سے ایک
رسول بھیجا۔ اسی طرح وہ ایک رسول آخرین میں سے مبعوث فرمائیگا۔ وہ آخرین
جو ابھی تک ان امیوں سے نہیں ملے جنہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم
نے اللہ تعالےٰ کی آیات سنائیں اور انہیں پاک بنایا۔ اور انہیں کتاب
و حکمت سکھائی لیکن جب وہ رسول ان میں ظاہر ہوگا تو وہ بھی صحابہ کے
زمرہ میں شمار ہوں گے حدیث میں آتا ہے کہ جب سورۃ جمعہ اُتری۔ تو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے دریافت کیا۔ مَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ
کہ وہ آخری لوگ جو ابھی ہم سے نہیں ملے وہ کون ہیں۔ تو آپ نے سلمان فارسی
کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ
رَجُلٌ مِّنْ هٰؤُلَاءِ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ) یعنی اگر ایمان
ثریا پر بھی معلق ہوگا۔ تو ایک فارسی النسل مرد اسے وہاں سے بھی لے لے گا
اور لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا۔ اس حدیث سے پتہ لگتا ہے کہ وہ رسول جو
آخرین میں مبعوث ہوگا وہ فارسی النسل ہوگا۔ دوسرے وہ ایسے زمانہ میں آئیگا
جب لوگ ایمان سے خالی ہوں گے اور ہر طرف کفر و الحاد کا چرچا ہوگا۔

پس سورۃ جمعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے دو ہی عظیم الشان گروہ
بتائے گئے ہیں۔ اولین کہ جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور دوسرے

براہ راست ہدایت پاکر ان کی تربیت فرمائی۔ اور ان کے لئے مربی بے واسطہ تھے۔ دوسرا گروہ آخرین کا ہے جن میں مسیح موعود بروز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہونگے جو خدا سے الہام پائیں گے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے فیض اٹھا کر اس گروہ کی تربیت کریں گے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں خَيْرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلُهَا وَاٰخِرُهَا اَوَّلُهَا فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰخِرُهَا فِيْهِمْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲) اس امت کا اول اور آخر بہتر ہے۔ اول میں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے آخر میں مسیح ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں۔ لَيُدْرِكَنَّ الدَّجَّالَ قَوْمٌ مِّثْلُكُمْ اَوْ خَيْرٌ مِّنْكُمْ وَلَنْ يُّخْزِيَ اللّٰهُ اُمَّةً اَنَا اَوَّلُهَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اٰخِرُهَا (حج الکرامہ صفحہ ۴۲۲ بحوالہ مستدرک الحاکم و کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۰۲)

آپ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ دجال کا مقابلہ تمہارے جیسی یا تم سے اچھی قوم کرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اس امت کو ذلیل نہیں کریگا جس کے اول میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں نیز فرمایا مَثَلُ اُمَّتِيْ كَالْمَطَرِ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهٗ خَيْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) میری امت کی مثال بارش کی ہے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ اس کا اول حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ۔

ان احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے امت کے بڑے عظیم الشان دو گروہ ہی بیان فرمائے ہیں۔ ایک اپنے وقت کا اور دوسرا مسیح موعود کے زمانے کا۔ اور اس کی تائید قرآن مجید کی آیت ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ سے ہوتی ہے۔

پانچویں آیت۔ قرآن مجید کی دو آیتوں کے متعلق مفسرین نے بھی لکھا ہے کہ وہ مسیح موعود اور مہدی سے متعلق ہیں۔ (۱) اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (زخرف ع ۶) کہ وہ یقیناً ساعت کی علامت ہیں۔ اس آیت کے متعلق مجاہد اور ضحاک اور قتادہ نے کہا ہے کہ مراد مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اور ان کا ظہور قرب قیامت کی علامت ہے (تفسیر فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۱) نیز دیکھو روح المعانی پارہ ۲۵ صفحہ ۲۶)

اور مقاتل بن سلیمان اور ان کے تابع مفسرین نے آیت اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر میں لکھا ہے ھُوَ الْمَهْدِيُّ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۶۴) کہ مراد مہدی ہیں جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونگے۔

پہلی آیت میں یہ ذکر ہے کہ جب مسیح ابن مریم کا ذکر بطور مثیل ونظیر کے کیا جاتا ہے تو تیری قوم تالیاں بجاتی اور شور کرتی ہے یا اعراض کرتی ہے اگر اِنَّهٗ میں ضمیر غائب مثیل ہی کی طرف لی جائے تو یہ معنے درست ہوں گے کہ اس مثیل کا ظہور ساعت کی علامت ہے بہرحال مفسرین نے اس آیت کو مسیح اور مہدی کے متعلق سمجھا ہے۔

چھٹی آیت (۱) اسی طرح آیت ھُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف ع ۱) کو بھی متقدمین نے مسیح موعود اور مہدی کے متعلق قرار دیا ہے۔

امام ابن جریر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

دین اسلام کا غلبہ باقی تمام ادیان پر عیسیٰ بن مریم کے نزول کے وقت ہوگا

(ابن جریر جلد ۲۸ صفحہ ۵۲)

اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید فرماتے ہیں :-

"وظاہر است کہ ابتدائے ظہور دین در زمانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بوقوع آمدہ و اتمام آں اندست حضرت مہدی واقعہ خواہد گردید۔" (منصب امامت صفحہ ۹۵)
اسی طرح شیعہ صاحبان کی مستند کتابوں میں لکھا ہے اِنَّھَا نَزَلَتْ فِی الْقَائِمِ مِنْ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَھُوَ الْاِمَامُ الَّذِیْ یُظْھِرُہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۲ و تفسیر صافی بحوالہ امام قمی)
کہ یہ آیت قائم آل محمد یعنی مہدی کے بارہ میں نازل ہوئی ہے اور وہی امام ہے جسے اللہ تعالےٰ تمام ادیان پر غلبہ دے گا۔
الغرض قرآن مجید میں گو مسیح اور مہدی کا نام نہیں آیا لیکن بہت سی آیات ہیں ایک شخص کے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے کے متعلق پیشگوئی پائی جاتی ہے ہم نے اس جگہ بطور نمونہ مذکورہ بالا آیات لکھ دی ہیں۔

احادیث میں مسیح اور مہدی کے آنے کا ذکر

مسیح اور مہدی کے ظہور کے متعلق کتب احادیث میں بہت سی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہم اس جگہ پہلے ان روایات کا ذکر کرتے ہیں جن میں مسیح کا ذکر ہے۔ اور اس کے بعد ان روایات کا ذکر کریں گے۔ جن میں مہدی کے ظہور کی خبر پائی جاتی ہے

ظہورِ مسیح کے متعلق روایات

(۱) مؤطا امام مالک۔ حضرت امام مالک رح ۹۵ھ سے ۱۷۹ھ تک ہوئے ہیں امام ہیں جنہوں نے احادیث کا مجموعہ تیار کیا حضرت امام شافعی رح اور امام احمد بن حنبل رح اور ابن المبارک رح اور سفیان الثوری رح وغیرہ نے آپ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی رح نے فرمایا ہے کہ

آسمان کے نیچے مؤطا مالک سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں ہے۔
(مؤطا امام مالک صفحہ ۲۹۲ مطبع مجتبائی)

حضرت امام مالکؒ نے آنے والے مسیح ابن مریم اور دجال کی صفات سے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے:۔

اُرَانِی اللَّیْلَۃَ عِنْدَ الْکَعْبَۃِ فَرَاَیْتُ رَجُلًا اٰدَمَ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَہٗ لِمَّۃٌ کَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَہَا فَہِیَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّکِئًا عَلٰی رَجُلَیْنِ یَطُوْفُ بِالْکَعْبَۃِ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقِیْلَ لِیْ ھٰذَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ثُمَّ اِذَا اَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَیْنِ الْیُمْنٰی کَاَنَّہَا عِنَبَۃٌ طَافِیَۃٌ فَسَاَلْتُ مَنْ ھٰذَا فَقَالَ الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ۔" (مؤطا امام مالکؒ مجتبائی دہلی صفحہ ۳۶۸)

یعنی میں نے اپنے آپ کو آج رات کعبہ کے پاس پایا۔ پھر میں نے ایک مرد دیکھا جو نہایت اعلیٰ گندم گوں رنگ کا تھا۔ اس کے نہایت اچھے بال تھے جو کانوں کی لو تک آتے تھے جنہیں کنگھی کیا ہوا تھا۔ ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو مجھے بتایا گیا کہ وہ مسیح ابن مریم ہے پھر میں نے ایک اور شخص دیکھا جس کے گھنگھریالے بال تھے دائیں آنکھ سے کانا گویا اس کی آنکھ انگور کی مانند تھی جس میں کوئی روشنی نہ تھی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے تو جواب ملا کہ المسیح الدجال ہے۔

یہ حدیث جو احادیث کی سب سے پہلی کتاب میں درج ہے۔ اور یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کشف ہے۔ جس میں کعبہ سے

مراد اسلام ہے اور المسیح الدجال سے مراد مسیحی قوم ہے۔ اور مسلم التعبیر میں دائیں آنکھ سے مراد دینی آنکھ ہوتی ہے۔ فرمایا کہ دجال کی دینی آنکھ بالکل بے نور ہوگی۔ لیکن بائیں آنکھ نہایت روشن ہوگی یعنی دنیاوی امور میں بڑا البصیر اور واقف ہوگا۔ ہر قسم قسم کے مکر اور فریب سے اسلام کو نابود کرنا چاہے گا۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے مسیح علیٰ بن مریم کے آگے آگے دجال کو دیکھا جس سے مراد یہ ہے کہ دجال کعبہ کو گرانے یعنی اسلام کو مٹانے کے لئے کوشش کرے گا۔ اور اس پر ہر قسم کے اعتراض کرے گا۔ اور مسیح ابن مریم اس کے اعتراضات کا جواب دے گا اور اسلامی تعلیم میں دجال جو نقص نکالے گا مسیح موعود اس کی اصلاح کرے گا۔

حضرت امام مالکؒ نے صرف یہی ایک حدیث بیان کی ہے۔ اور اس سلسلہ میں کوئی اور روایت بیان نہیں کی۔

(۲) اس کے بعد ہم صحیح بخاری کو لیتے ہیں۔ امام محمد اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ (سن وفات ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں ایک تو بعینہٖ وہی روایت ذکر کی ہے جو موطا امام مالک کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے۔ اور امام بخاریؒ کی اس روایت میں "المنام" کا لفظ بھی مذکور ہے کہ آپ نے خواب یا کشف میں ایسا دیکھا۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۸۹ باب واذکر فی الکتاب مریم)

(۳) اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے ایک اور روایت حضرت ابوہریرہؓ سے یہ درج کی ہے کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ باب نزول عیسیٰ و مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ مصر)

اے مسلمانو! تمہاری کیسی حالت ہوگی جب تم میں ابنِ مریم نازل ہونگے
اس حال میں کہ وہ تمہارے امام ہوں گے۔ اور تم میں سے ہوں گے۔

(۴) حضرت امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا: لَيُوْشِكَنَّ اَنْ يَّنْزِلَ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيْرَ وَيَضَعُ الْحَرْبَ۔

(بخاری جلد ۱ باب نزول عیسٰی بن مریم ص۴۹۰)

قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حکم و عدل کی حیثیت میں نازل ہوں اور صلیب کو توڑیں اور خنزیر کو قتل کریں۔ یعنی نصاریٰ کے مذہب کو دلائل سے باطل ثابت کریں اور صلیبی عقیدہ کا غلط ہونا واضح کریں۔ اور مذہبی جنگوں کو موقوف کر دیں۔

(۵) حضرت امام مسلم الحجاج بن مسلم القشیری (حضرت امام مسلم ر ۲۰۴ھ ـ ۲۶۱ھ) نے بھی اپنی صحیح میں نزول مسیح کے متعلق احادیث لکھی ہیں ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ فَاَمَّكُمْ مِنْكُمْ۔ (صحیح مسلم مع شرح النووی جلد اول ص۹۴) کہ تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابنِ مریم نازل ہوگا پس وہ تمہارا امام ہوگا۔

دوسری روایت میں جو اس روایت سے بعد درج ہے اس میں متن حدیث کے یہی الفاظ روایت کرکے لکھا ہے قَالَ ابْنُ اَبِيْ ذِئْبٍ تَدْرِيْ مَا اَمَّكُمْ مِنْكُمْ قُلْتُ تُخْبِرُنِيْ قَالَ فَاَمَّكُمْ بِكِتَابِ رَبِّكُمْ عَزَّ وَجَلَّ وَسُنَّةِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ابن ابی ذئب نے کہا تمہیں معلوم ہے اَمَّكُمْ مِنْكُمْ کا کیا مطلب ہے میں نے کہا۔ آپ ہی بتائیں تو انہوں

کہا کہ مسیح تمہارے رب کی کتاب اور تمہارے نبی کی سنّت کے مطابق امامت کریں گے۔

انہوں نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا: "لینزلن ابن مریم حکمًا عدلًا فلیکسرنّ الصلیب ولیقتلنّ الخنزیر ولیضعنّ الجزیۃ ولیترکنّ القلاص فلا یسعٰی علیہا"۔ (صحیح مسلم جلد ۱ مع شرح النووی صفحہ ۔ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ مطبوعہ مصر)

یعنی ابن مریم حکم اور عدل کی حیثیت میں ضرور نازل ہوں گے پھر وہ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں ضروری مہمات کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور ان سے بے اعتنائی برتی جائے گی۔ مراد یہ ہے کہ اس زمانہ میں دوسری سواریاں نکل آئیں گی۔ جن کی وجہ سے ان کی ضرورت نہ رہے گی۔

اسی طرح مسلم نے نواس بن سمعان سے ایک روایت ذکر کی ہے جس میں آنے والے مسیح کے لئے عیسٰے نبی اللہ کے الفاظ چار مرتبہ استعمال ہوئے ہیں۔ (مسلم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۴۰۱)

(۴) حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ) نے بھی اپنی مسند میں بہت سی روایات مسیح کے آنے کے متعلق لکھا ہے ایک ان میں سے یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَّھْدِیًّا وَّحَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ"

ترجمہ:۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو زندہ

رہے گا قریب ہے کہ وہ عیسےٰ بن مریم سے ملاقات کرے جو امام مہدی اور حکم و عدل ہو کر آئیں گے اور صلیبی عقیدہ کو باطل ثابت کریں گے۔

(مسند احمد الجزء الثانی ص ۴۱۱ طبع مصر)

اسی طرح ابو عیسےٰ محمد ترمذی (سنہ ۲۰۹ھ - سنہ ۲۷۹ھ) اور ابو داؤد (سنہ ۲۰۲ھ - سنہ ۲۷۵ھ) اور ابو عبداللہ محمد بن ماجہ (سنہ ۲۰۹ھ تا سنہ ۲۹۳ھ) اور ابو عبدالرحمٰن احمد نسائی (سنہ ۲۱۵ھ - سنہ ۳۷۲ھ) نے اپنی سنن میں مسیح موعود کے ظہور کے متعلق روایات ذکر کی ہیں۔

ظہور مہدی کے متعلق احادیث

(۱) سب سے پہلی مسند و تصنیف جو علم حدیث میں لکھی گئی ہے وہ مؤطا امام مالک ہے۔ حضرت امام مالک (سنہ ۹۵ھ - سنہ ۱۷۹ھ) نے مہدی کے متعلق کوئی روایت ذکر نہیں کی۔

(۲) اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۹۴ھ - سنہ ۲۵۶ھ) نے اپنی صحیح میں آخری زمانہ میں کسی مہدی کے ظہور کا ذکر نہیں کیا۔

(۳) اسی طرح امام مسلم نے (سنہ ۲۰۴ھ - سنہ ۲۶۱ھ) اپنی صحیح میں آخری زمانہ میں کسی مہدی کے ظہور کا ذکر نہیں کیا۔

(۴) ان کے علاوہ باقی کتب احادیث میں بہت سی روایتیں مہدی کے متعلق آئی ہیں۔ نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں۔

قاضی محمد بن علی شوکانی یمانی نے اپنے رسالہ توضیح میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

اَمَّا الْاَحَادِیْثُ الْوَارِدَةُ فِی الْمَهْدِیِّ فَالَّذِیْ اَمْکَنَ لِیْ

الوُقُوفُ عَلَيْهِ مِنْهَا خَمْسُوْنَ حَدِيْثًا انتهٰی۔" (حجج الکرامہ ص۲۱۸)
کہ مہدی کے بارہ میں جو حدیثیں ہیں ان میں سے جو میرے علم میں آئی ہیں وہ پچاس ہیں پھر پچاس حدیثیں شمار کر کے لکھتے ہیں کہ یہ وہ پچاس حدیثیں ہیں جن میں صحیح حدیثیں بھی ہیں۔ حسن بھی ہیں اور ضعیف بھی اور صحابہ کرام سے جو آثار مروی ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

(۵) ان روایات کے متعلق محققین متقدمین کی یہ رائے ہے کہ مہدی کے متعلق اکثر روایات جرح سے خالی نہیں ہیں چنانچہ علامہ ابن خلدون احادیث متعلقہ خروج مہدی کا تفصیل وار ذکر کر کے اور ان پر محدثین کی جرح اور تنقید کر کے لکھتے ہیں:۔

"جُمْلَةُ الْأَحَادِيْثِ الَّتِيْ أَخْرَجَهَا الْأَئِمَّةُ فِيْ شَأْنِ الْمَهْدِيِّ وَخُرُوْجِهِ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ وَهِيَ كَمَا رَأَيْتَ لَا يَخْلُصُ مِنْهَا مِنَ النَّقْدِ إِلَّا الْقَلِيْلُ أَوِ الْأَقَلُّ مِنْهُ۔"

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۸۷)

کہ تمام وہ احادیث جو مہدی کے آخری زمانہ میں ظاہر ہونے کے بارہ میں محدثین نے بیان کی ہیں ان میں سے نہایت ہی کم تعداد کو چھوڑ کر کوئی روایت تنقید سے محفوظ نہیں۔

(۶) مہدی کے بارہ میں جو روایات مختلف کتب میں ذکر کی گئی ہیں ان میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان کے درمیان تطبیق کرنا مشکل ہے۔

مثلاً (۱) بلحاظ نسب مہدی کن میں سے ہوگا۔

(الف) ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہدی بنی عباس سے ہوگا (کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۶ و حجج الکرامہ ص۳۵۲)

اور ابن سیرین اور حسن بصری وغیرہ عمر بن عبد العزیز کو جو بنی امیہ سے تھے امام مہدی سمجھتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء ص۱۶۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ مہدی حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہوگا (ابن عساکر)

تیسری روایت میں ہے رجلٌ من امتی (نجم الکرام ص۳۶۲ بحوالہ البزار والطبرانی)

چوتھی روایت میں ہے اَلْمَھْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِیْ (کنز العمال ... وحج الکرامہ ص۳۶۳)

کہ مہدی میرے عترت سے ہوں گے اور عترت کا لفظ بھی تشخیص نہیں کرتا کیونکہ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں۔ نَحْنُ عِتْرَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ) کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عترت ہیں۔

پانچویں روایت میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِیْ فرمایا۔ کہ وہ میری امت کا ایک فرد ہوگا۔ (کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۶)

چھٹی روایت میں ہے کہ وہ امام حسنؓ کی اولاد میں سے ہوگا۔

ساتویں یہ ہے کہ وہ امام حسینؓ کی اولاد میں سے ہوگا (نجم الکرامہ ص۳۵۲)

آٹھویں روایت یہ ہے کہ وہ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ ہوگا (مشکوٰۃ ص۴۷۲) و کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۶) اور ولد کے معنی جیسا کہ امام خطابی نے کہا ہے۔ وُلْدُ الرَّجُلِ نَسْلُہٗ وَقَدْ یَکُوْنُ الْاَقْرِبَاءُ وَبَنِی الْعُمُوْمَۃِ کہ کسی شخص کے ولد سے مراد اس کی نسل ہوتی ہے اور کبھی اس کے اقرباء اور چچا زاد بھائی بھی ہوتے ہیں (حاشیہ ابوداؤد ص۵۸۹ مطبع نظامی کانپور) اسی طرح اس کی مدت قیام اور مقام ظہور وغیرہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۷۔ اختلاف کی وجہ

اس اختلاف کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ روایات ... حقیقت مختلف اشخاص

کے متعلق تھیں اور مہدی ہر ہدایت یافتہ اور صالح انسان پر بولا جاتا ہے جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کے حق میں بھی مہدیین کا لفظ استعمال فرمایا لیکن علماء نے سب روایات کو ایک شخص کے متعلق سمجھ لیا جو آخری زمانہ میں آئیگا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے اِسْمُهٗ اِسْمِیْ وَاسْمُ اَبِیْهِ اِسْمُ اَبِیْ کہ اس کا نام میرا نام اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام ہوگا۔ یہ ظاہری طور پر عباسی خلیفہ محمد المہدی پر چسپاں ہوتی ہے ان کا نام محمد تھا اور ان کے باپ کا نام عبد اللہ المنصور تھا۔

اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے کہ اس کی بیعت رکن اور مقام کے درمیان کریں گے اس میں لفظ رجل ہے لیکن اسے مہدی پر لگایا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد عبد اللہ بن زبیر ہیں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں یَکُوْنُ اِخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِیْفَةٍ فَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ هَارِبًا اِلٰی مَکَّةَ فَیَاْتِیْهِ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَکَّةَ فَیُخْرِجُوْنَهٗ کَارِهًا فَیُبَایِعُوْنَهٗ بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ وَیُبْعَثُ اِلَیْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَیُخْسَفُ بِهِمُ الْبَیْدَاءُ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۷)

یہ روایت اس واقعہ پر منطبق ہوتی ہے جب حضرت معاویہ کے مرنے کے بعد یزید کی بیعت پر اختلاف ہوا تو حضرت عبد اللہ بن زبیر مدینہ سے مکہ بھاگ آئے پھر شام سے یزید کا ماتحتی عمرو بن سعید مدینہ پر لشکر چڑھا کر آیا جس نے وہاں آکر قتل عام کیا جو یوم الحرۃ کے نام سے مشہور ہے۔ پھر وہی لشکر مکہ کی طرف آیا۔ مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یزید کی موت کی خبر آگئی اس لئے اس لشکر کو واپس ناکام لوٹنا پڑا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی انہوں نے رکن اور مقام کے درمیان بیعت کی۔ لیکن اس روایت کو بھی

مہدی آخر الزمان پر لگایا گیا۔

اسی طرح ایک اور روایت المہدی من عترتی وغیرہ احادیث کا مصداق امام حسنؓ کے پڑپوتے محمدؒ بن عبداللہ کو قرار دیا گیا ہے چنانچہ ابن خلدون نے لکھا ہے:۔

محمد بن عبداللہ حسن بن الحسن السبط نے جنہیں نفس زکیہ کہتے تھے حجاز میں خروج کیا۔ اور مہدی ان کا لقب ہوا۔

اسی طرح اور بہت سی روایات دوسرے لوگوں پہ صادق آتی تھیں لیکن کوشش یہ کی گئی کہ سب کی سب روایات کا مصداق ایک ہی شخص کو قرار دیا جائے۔

پھر ان سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ آخر الزمان کے لفظ سے انہوں نے ہر جگہ مسیح موعود کا زمانہ سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ لفظ بھی نسبتی تھا مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے یَخْرُجُ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ اَحْدَاثُ الْاَسْنَانِ الحدیث (ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۹) اس حدیث میں آخر الزمان کا لفظ آیا ہے لیکن اس کے متعلق لکھا ہے: اِنَّمَا ھُمُ الْخَوَارِجُ وَالْحَرُوْرِیَّۃُ وَغَیْرُھُمْ مِنَ الْخَوَارِجِ "کہ اس حدیث میں جس قوم کے آخر الزمان میں ظاہر ہونے کا ذکر ہے۔ وہ خوارج ہیں۔

لیکن جس روایت میں بھی آخر الزمان کا ذکر آگیا اس سے مسیح موعود کے ظہور کا زمانہ مراد لے لیا گیا۔

۸۔ امام مہدی کے بارے میں چار مختلف اقوال

تیسرا یہی ہے کہ مسیح موعود کے زمانے میں کوئی اور امام مہدی نہیں ہوں گے۔

اختلاف روایات کی وجہ سے مہدی کے بارہ میں چار مختلف اقوال ہیں نواب محمد صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں "حافظ ابن القیم در منار فرمودہ کہ امت مرحوم در مہدی بر چہار قول مختلف اند"

(۱) "یکے آنکہ مہدی مسیح ابن مریم است و در حقیقت مہدی اُو است و حجت این قول حدیث محمد بن خالد جندی است یعنی لا مھدی الا عیسی ابن مریم" (۲) "دوم آنکہ مراد بمہدی خلیفہ عباسیہ است کہ بود و گزشت" (۳) "سوم آنکہ مہدی مردی از اہل بیت نبوی و از اولاد حسن یا اولاد حسین بن علی باشد" (۴) "قول چہارم رافضہ است کہ مہدی مذکور محمد بن حسن عسکری است" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۰۷)

صحیح قول۔ ہمارے نزدیک پہلا قول صحیح ہے اور مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں کوئی اور مہدی موعود نہیں ہے اس لئے کہ:۔

۱۔ امام مالکؒ اور امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی صحاح میں مسیح موعود کے ساتھ کسی امام مہدی کا ذکر نہیں کیا۔ اگر آخری زمانہ میں مسیح موعود کے ساتھ مہدی کی روایات اس معیارِ صحت پر پوری اُترتیں جو انہوں نے احادیث کے لئے مقرر کیا تھا تو وہ ضرور ان روایات کا ذکر کرتے جن میں مسیح کے ساتھ مہدی کے آنے کا ذکر پایا جاتا ہے مگر انہوں نے اسی لئے ان حدیثوں کو نہیں لیا کہ وہ ان کے مقرر کردہ معیارِ صحت کے مطابق پوری نہیں اُترتی تھیں پس ان کتب احادیث کا مہدی کا ذکر نہ کرنا اور صرف مسیح موعود کے ظہور کے متعلق احادیث کا ذکر کرنا اس امر کا یقینی ثبوت ہے کہ ان کے نزدیک مسیح موعود کے ساتھ کسی اور مہدی کے ظہور کا عقیدہ غلط تھا۔

۹۔ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ میں امام سے کون مراد ہے۔

(۱) بعض علماء امامکم منکم سے یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں امام سے مراد مہدی

ہیں) لیکن ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امام سے مراد اس حدیث میں خود مسیح موعود ہیں اور امام مہدی کا ان روایات میں کوئی ذکر نہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام مہدی مسیح موعود کے امام ہوں گے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مسلمان جمع ہوں گے اور نماز کھڑی کی جائے گی۔ فَيَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّهُمْ" اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو وہ ان کے امام ہوں گے۔

(مشکوٰۃ مطبوعہ مجتبائی ص ۴۸۰ بحوالہ مسلم)

اور نواب قطب الدین صاحب شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اگر کوئی یہ کہے کہ امامکم منکم سے کوئی اور امام مراد ہے۔ تو بے ثبوت بات ہے اور متقدمین نے تسلیم کر لیا ہے کہ امامکم منکم سے مراد حضرت عیسیٰ ہی ہیں" (مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۴۲۹)

مزید براں علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ صحیح بات یہی ہے کہ عیسیٰ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور مہدی ان کی اقتداء کریں گے کیونکہ وہ افضل ہیں اور ان کی امامت اولیٰ ہے۔

(شرح عقائد النسفی ص ۱۲۷ مطبوعہ ...)

(۲) امام احمد بن حنبل نے مسند میں نزول مسیح کے بارے میں جو حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے اس میں مسیح کی صفات اماماً مهدياً حكماً عدلاً ذکر کی ہیں کہ مسیح امام مہدی ہوں گے (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۱۱)

آخری زمانہ کے متعلق جو مہدی کے بارہ میں روایات آئی ہیں ان میں سے کسی میں بھی امام مہدی کے لفظ استعمال نہیں ہوئے۔

پس اس حدیث کے مطابق مسیح موعود ہی امام مہدی ہیں۔

(۳) امام ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ (۲۰۹ھ ۲۹۳ھ) نے اپنی سنن میں اور الحاکم نے مستدرک میں انس بن مالک سے روایت کی ہے:-

"لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ النَّاسِ وَلَا الْمَهْدِیُّ اِلَّا عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ" (ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ۲۵۷)

کہ قیامت شریر لوگوں پر آئے گی۔ اور المہدی عیسٰی ابن مریم مہدی ہوں گے۔ اور اس کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مہدی اور مسیح ایک ہی شخص ہوگا۔ اور عیسٰی کے سوا اور کوئی مہدی نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں مہدی آخر الزمان ایک علیحدہ شخص ہوں گے۔ انہوں نے اس حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے بعض راویوں پر جرح کی ہے اور پھر بشرط صحت اس کی یہ تاویل کی ہے۔ امام شوکانی نے توضیح میں لکھا ہے:-

"اَمَّا حَدِیْثُ اَنَسٍ اَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ لَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فَیُمْکِنُ اَنْ یُقَالَ فِیْ تَاوِیْلِهٖ لَا مَهْدِیَّ کَامِلٌ وَلَا شَكَّ اَنَّ عِیْسٰی اَکْمَلُ مِنَ الْمَهْدِیِّ لِاَنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰهِ وَهٰذَا التَّاوِیْلُ مُتَحَتِّمٌ لِمُخَالَفَةِ ظَوَاهِرِ الْاَحَادِیْثِ" (حجج الکرامہ صـ۳۸۵)

کہ انس کی حدیث جو ابن ماجہ نے اور حاکم نے مستدرک میں لا مہدی الا عیسٰی ابن مریم ذکر کی ہے اس کی تاویل میں یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسیح کے سوا کوئی مہدی کامل نہیں اور اس میں شک نہیں کہ عیسٰی مہدی سے اکمل ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ کے نبی ہیں اور یہ تاویل اس لئے ضروری ہے

کہ یہ حدیث ظاہری لحاظ سے دوسری احادیث کے مخالف ہے۔

حدیث لا مہدی الا عیسیٰ بالکل صحیح حدیث ہے

ہمارے نزدیک کہ امام ابن قیم نے اس حدیث کی بناء پر مہدی کے بارہ میں مسلمانوں کا پہلا قول لکھا ہے کہ مسیح کے علاوہ ان کے زمانہ میں کوئی اور امام مہدی نہیں ہوگا۔ صحیح ہے۔ اور یہ حدیث مرفوع متصل، صحیح حدیث ہے اور اس کے راویوں پر جو تنقید کی گئی ہے وہ درست نہیں۔

پہلا راوی:۔ اس حدیث کا پہلا راوی یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی ہے جس سے ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابن کثیر نے کہا ہے۔ کہ وہ ثقہ ہے اور ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد اس کو ثقہ قرار دیتے اور اس کی رفعت شان کا ذکر کرتے تھے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ ہے۔ اور علی ابن الحسن کہتے ہیں کہ وہ حافظ الحدیث تھا۔ طحاوی نے کہا ہے کہ وہ عاقل اور فہم رسا رکھنے والا شخص تھا۔ امام ابن حبان نے ان کا ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۴۲)

دوسرا راوی:۔ امام محمد بن ادریس شافعی ہیں۔ ان کا ثقہ ہونا مسلم محدثین ہے۔

تیسرا راوی:۔ محمد بن خالد جندی ہے۔ اس کے متعلق امام ابن معین نے کہا ہے کہ وہ ثقہ ہیں اور [illegible] معین کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۵ میں لکھا ہے۔

کہ محمد بن رافع نے امام احمد بن حنبل کو کہتے سنا کہ جس حدیث کو ابن معین [illegible] نہ جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ اور صفحہ ۲۸۵ و صفحہ ۲۸۶ میں اسے امام الجرح

والتعدیل لکھا ہے۔ اور راویوں کے حالات سے بہت واقف قرار دیا ہے اور عمرو الناقد کہتے ہیں۔ کہ ہم میں یحییٰ بن معین سے اعلم بالاسناد کوئی نہیں ہے۔ تیسرا راوی۔ ابان بن صالح ہے اس کو ابن معین اور عجلی اور یعقوب بن شیبہ اور ابو زرعہ اور ابو حاتم نے ثقہ قرار دیا ہے اور ابن حبان نے بھی اس کا ذکر ثقہ لوگوں میں کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۹۴)

پانچواں راوی۔ امام حسن بصری ہیں۔ جو ہر طرح سے عادل و ثقہ مشہور ہیں۔

چھٹے راوی۔ انسؓ بن مالک ہیں جو صحابی ہیں جن کے ثقہ اور عادل ہونے میں شک کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اور حضرت انسؓ اس حدیث کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں پس یہ حدیث مرفوع متصل ہے اور اس کی صحت میں شک کرنا درست نہیں۔

محمد بن خالد جندی مجہول راوی نہیں

حاکم نے کہا ہے کہ محمد بن خالد جندی مجہول ہے لیکن ان کا یہ خیال سراسر باطل ہے۔ علامہ ابو الحسن بن عبد الہادی السندی المدنی جو متاخرین میں سے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں انہوں نے بخاری مسلم ابن ماجہ اور نسائی اور دوسری کتب کے حواشی لکھے ہیں۔ اور کتاب مجمع البحار لغت احادیث کے مؤلف ہیں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"لا مہدی الا عیسیٰ ای وجودًا لا لغوًا المتصف بالہدی علی کل وجہ بعدہٗ صلی اللہ علیہ وسلم الی دین اللہ اسلم۔"

(ابن ماجہ مطبوعہ مصر جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۴۹۵)

ترجمہ ۱۸:۔ کئی غیر پر ہدایت سے متصف ، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جسے مطلق مہدی کہہ سکتے ہیں وہ عیسٰے ہی ہے ۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مہدی کا لقب سوائے عیسٰے کے اور کسی کے لئے نہیں ۔ زوائد میں ہے کہ حاکم نے مستدرک میں اسی متن حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث شافعی کے افراد میں سے شمار کی جاتی ہے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ۔ کیونکہ امام شافعیؒ کے سوا دوسروں نے بھی اسے روایت کیا ہے پھر اس نے ابو یحییٰ بن سکن کی سند کا ذکر کیا ہے کہ اس نے بھی محمد بن خالد جندی صنعانی سے حدیث کو روایت کیا ہے جو کہ امام شافعیؒ کے استاد کا مؤذن تھا اور ان سے امام شافعی کے سوا دوسروں نے بھی روایت کی ہے اور وہ غیر معروف نہیں جیسا کہ حاکم نے خیال کیا ہے بلکہ یحییٰ بن معین سے مروی ہے کہ انہوں نے اس کو مستند اور ثقہ سمجھا ہے ان بعض نے اس حدیث کو مرسل بھی بیان کیا ہے ۔ اور مزّی نے تہذیب میں کسی شخص کا یہ ذکر کیا ہے کہ اس نے امام شافعی کو خواب میں کہتے سنا ۔ کہ یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے ۔ یہ حدیث میری نہیں حضرت حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ۔ یونس بن عبدالاعلیٰ الصدفی ثقہ " کہ وہ معتبر راویوں میں سے ہیں ۔ محض کسی کے خواب سے ان کو مطعون نہیں کیا جا سکتا ۔ اور یہ حدیث اگرچہ بادی النظر میں باقی احادیث واردہ دربارہ مہدی کے خلاف نظر آتی ہے ۔ مگر غور کریں تو ان کے منافی نہیں ہے ۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مہدی جس کو مہدی کہا جا سکتا ہے ۔ وہ عیسٰے بن مریم ہیں ۔ ان کے سوا بھلا کوئی مہدی ہو ہی کیونکر سکتا ہے ۔

پس صحیح مذہب یہی ہے کہ مسیح موعودؑ ہی مہدی ہیں۔ اور آپ کے زمانہ میں کسی اور مہدی موعود کے ظہور کا خیال درست نہیں۔

(۴) امام حسن بصری (۲۱ھ ۔ ۱۱۰ھ) کہتے ہیں:۔

اِنْ کَانَ مَهْدِیٌّ فَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ وَ اِلَّا فَلَا مَهْدِیَّ اِلَّا عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳ مؤلفہ امام جلال الدین سیوطیؒ)

اگر امت میں کوئی مہدی ہے تو وہ عمر بن عبد العزیزؒ ہیں۔ ورنہ عیسٰیؑ بن مریم کے سوا اور کوئی مہدی نہیں۔

(۵) اور ابن عون کہتے ہیں کہ امام ابن سیرین (۳۳ھ ۔ ۱۱۰ھ) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا امام مہدی کے نام سے ذکر کیا کرتے تھے۔

(تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۳)

(۶) اسی طرح حدیث لا مھدی الا عیسٰی کو مستند سمجھتے ہوئے معتزلہ اور ان کے امثال نے مسیح کے علاوہ ظہور مہدی آخر الزمان کا انکار کیا ہے۔

(حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶)

(۷) پس حق بات یہی ہے کہ نزول مسیح موعودؑ کا عقیدہ ایسا ہے جس کی تائید قرآن مجید سے بھی ملتی ہے۔ اور جس کا کسی زمانہ میں کبھی انکار نہیں کیا گیا۔ اور نہ کوئی حدیث اس عقیدہ کے خلاف پائی جاتی ہے۔ اور مسلمان نسلاً بعد نسلٍ مانتے چلے آتے ہیں لیکن ظہور مہدی کے متعلق مسلمانوں میں یہ اختلاف رہا ہے۔ کہ آیا مسیح ابن مریم ہی امام مہدی ہوں گے یا کوئی اور شخص امام مہدی ہوگا۔ اس لئے

متعلق ہم اوپر تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں کہ آخری زمانہ میں خود مسیح موعود
ہی مہدی ہوں گے۔ چنانچہ نواب نور حسن خاں ابن نواب محمد صدیق
حسن خاں اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں مہدی کے متعلق روایات
اور اقوال ائمہ کا ذکر کر کے نزول مسیح کی خبر اور ظہور مہدی کی خبر کا
موازنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

قرآن مقدس کے بعد کوئی کتاب صحیح بخاری و صحیح مسلم
سے زیادہ صحیح نہیں ہے .... جس طرح
عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں بڑی دھوم دھام سے
خبر خاتم الرسل کے نام نشان بتا کر دی تھی۔ سو اسی طرح
خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خبر ان کے نزول
کی ہم کو دی ہے بلکہ خود خدائے پاک نے یہ خبر بذریعہ قرآن کریم
ہم کو سنائی ہے۔ کوئی شخص متعہد بوجہ حدیث لا مھدی
الا عیسیٰ باوجود ضعف سند کے اگر مہدی کے آنے کا
انکار کرے تو کرے اس لئے کہ قرآن کریم میں ان کے ظہور
کی خبر نہیں دی ہے۔ صحیحین میں ان کا ذکر صراحتاً نہیں
آیا ہے۔ گو احادیث مہدی کو علمائے اسلام نے متواتر
المعنی کہا ہے۔ سنن میں ان حدیثوں کو روایت کیا ہے
بخلاف نزول مسیح علیہ السلام میں تو بال برابر کا بھی کچھ فرق
نہیں۔ دھوکہ نہیں ہے۔ عیسائی بھی ان کے آنے
کے منتظر ہیں۔ ہم نے مانا۔ مہدی نہ آویں
[illegible] مذہب قول مشہور اسلام کی نہیں ہے

ابن مریم تو سب کے نزدیک ضرور ہی آئیں گے۔ کہیں خدا ان کو ملے آدے۔ جو بات ہم مہدی کے آنے سے خیال کرتے ہیں وہ کام ان سے بخوبی نکلے گا۔ مہدی آویں۔ یا نہ آویں اسلام کا کچھ نقصان نہیں۔ ان کا نام ہی ہم کو کافی ہے۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۱۲)

پھر لکھتے ہیں:-

"ہاں صحیحین میں کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ تعالےٰ ہیں ذکر نزول عیسےٰ علیہ السلام کا اور بیان خروج دجال کا آیا ہے سو اس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں بلکہ خود قرآن پاک سے نزول عیسےٰ ابن مریم کا خروج یاجوج وماجوج کا خروج دابۃ الارض کا ثابت ہے۔ اگر یہی بات ٹھہرے کہ عیسےٰ علیہ السلام ہی مہدی بن گئے تو بھی ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ فقط اتنی بات ہے کہ احادیث ظہور مہدی علیہ السلام کے بالکل کسی وجہ وجیہہ سے اسقط وساقط ہوتی ہیں۔ یہی سہی کہیں حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام ہی جلد رونق بخش ہوں۔ اگر مہدی نہیں آتے تو نہ آویں۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۱۲)

مولانا مودودی صاحب کا جواب نمبر ۲

مولانا مودودی صاحب نے تحقیقاتی عدالت کے دس بنیادی سوالات کا جواب دیتے ہوئے ظہور مہدی و مسیح کے متعلق مندرجہ ذیل جواب دیا ہے۔ ظہور مہدی کے متعلق مولانا صاحب لکھتے ہیں:-

"اس مسئلہ میں دو قسم کی احادیث پائی جاتی ہیں۔ ایک وہ جن میں لفظ مہدی کی تصریح ہے۔ دوسری وہ جن میں صرف ایک ایسے خلیفہ کی خبر دی گئی ہے جو آخری زمانے میں پیدا ہوگا۔ اور اسلام کو غالب کر دے گا۔ ان دونوں قسم کی روایات میں سے کسی ایک کا بلحاظ سند یہ پایہ نہیں ہے کہ امام بخاریؒ کے معیار تنقید پر پورا اترتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مجموعہ حدیث میں کسی کو بھی درج نہیں کیا۔ مسلم نے صرف ایک روایت لی ہے جو لفظ مہدی سے خالی ہے۔"

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صاحب ص۳)

پھر لکھتے ہیں:-

"تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام روایات بالکل ہی بے اصل ہیں۔ تمام آمیزشوں سے الگ کر کے ایک بنیادی حقیقت ان سب میں مشترک ہے اور وہی اصل حقیقت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ایک ایسے لیڈر کے ظہور کی پیشگوئی فرمائی ہے جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ ظلم و ستم مٹا دے گا۔ سنت نبوی پر عمل کرے گا۔ اسلام کو غالب کر دے گا۔ اور خلق خدا میں خوشحالی پیدا کر دے گا۔" (ایضاً)

پھر لکھتے ہیں:-

"یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مہدی کے متعلق کوئی عقیدہ اسلامی عقائد میں شامل نہیں ہے۔ اہل سنت کی کتب ...

[illegible]

عقائد اس سے بالکل خالی ہیں۔"

(دس نکات کا جواب از مولانا مودودی صاحب ص۵)

مولانا مودودی صاحب نے اپنے اس بیان میں جس خیال کا اظہار کیا ہے وہ مسلمانوں کے مشہور عقیدہ کے سراسر منافی ہے۔ مولانا صاحب کا یہ خیال کہ اہل سنت کی کتب عقائد ظہور مہدی کے ذکر سے خالی ہیں درست نہیں مثلاً لوائح الانوار شرح عقیدۃ السفارینی جلد ۲ ص۶۷ میں اشراط ساعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

مِنْهَا الْإِمَامُ الْخَاتَمُ الْفَصِيْحُ
مُحَمَّدٌ الْمَهْدِيُّ وَالْمَسِيْحُ

یعنی اشراط الساعۃ میں سے امام محمد مہدی کا جو خاتم اور فصیح ہونگے اور مسیح کا ظہور ہے اور علامہ محمد السفارینی الحنبلی نے ۱۱۸۸ھ میں وفات پائی اور شرح عقائد نسفی میں علامہ تفتازانی نے تحریر فرمایا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ اور ان کی امامت کریں گے "وَيَقْتَدِيْ بِهِ الْمَهْدِيُّ" اور مہدی ان کی اقتداء کریں گے۔ کیونکہ مسیح علیہ السلام افضل ہیں اور ان کی امامت اولیٰ ہے۔

(شرح عقائد نسفی مع شرح نبراس ص۴۴۸)

اور مولانا عبدالعزیز فرہادی ۱۲۳۹ھ میں اپنی کتاب نبراس میں لکھتے ہیں:۔

"تَوَاتَرَتِ الْأَحَادِيْثُ فِيْ خُرُوْجِ الْمَهْدِيِّ"

(نبراس شرح لشرح العقائد النسفی ص۴۴۸)

کہ خروج مہدی کے بارہ میں حدیثیں تواتر کے ساتھ مروی ہیں اور حضرت ملا علی قاری (رسالہ ۱۳۵) شرح فقہ اکبر میں خروج دجال اور یاجوج وماجوج وغیرہ علامات کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:۔

ان میں واو مطلق جمع کے لئے ہے۔ ترتیب کے لئے نہیں کیونکہ ترتیب وقوع کے لحاظ سے (ان المہدی علیہ السلام یظہر اولا شرح الفقہ الاکبر ص۱۳۵) مہدی علیہ السلام کا ظہور خروج دجال سے پہلے ہوگا۔

ہمیں اس کے متعلق زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اگر مسیح علیہ السلام کے علاوہ کسی اور مہدی یا خلیفہ یا لیڈر نے مذکورہ بالا تمام اغراض ومقاصد کو جن کا ذکر مولانا صاحب نے اوپر کیا ہے پورا کر دینا ہے۔ تو پھر مسیح علیہ السلام کے آنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

ہمارا نقطۂ نظر اس بارہ میں جیسا کہ ہم اصل سوال کے جواب میں اوپر لکھ چکے ہیں، وہی ہے جو ہر زمانہ میں مسلمانوں کے عظیم الشان گروہ کا رہا ہے جس کا ذکر بحوالہ حضرت امام ابن القیمؒ اوپر ہو چکا ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک لا المھدی الا عیسےٰ کے مطابق یہ ہے کہ مسیح موعود ہی مہدی آخر الزمان ہوں گے۔ اور وہی امام مہدی کا لقب پائیں گے جیسا کہ مسند امام احمد بن حنبلؒ کی روایت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے ابن مریم کے حق میں اِمَامًا مَہْدِیًّا کا اعلان فرمایا ہے۔

ظہورِ مسیح

ظہور مسیح کے متعلق مولانا مودودی صاحب نے واضح الفاظ میں یہ تحریر کیا ہے کہ:-

"مسیح علیہ السلام کا نزول ثانی مسلمانوں کے درمیان ایک متفق علیہ مسئلہ ہے اس کی بنیاد قرآن و حدیث اور اجماع امت پر ہے۔" (۱، صے)

پھر احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:-

"اس بنا پر یہ بات یقینی ہے۔ اور اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کی ضرور خبر دی ہے۔ ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت ہے۔ اگر ایسی شہادتوں کو بھی رد کیا جا سکتا ہے تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔" (۱، ۱، صے)

پھر لکھتے ہیں:-

"پہلی صدی سے آج تک امت کے تمام علماء اور فقہاء۔ اور مفسرین اور محدثین کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کی خبر صحیح ہے۔" (۱، ۱، صے)

جناب مولانا صاحب کی ان تحریرات سے ظاہر ہے کہ وہ مسیح کی آمد ثانی کے عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اجماع امت سمجھتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کو ایسی ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت شدہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ایسی شہادتوں کو رد کیا جائے تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ اس حد تک ہم اور مودودی صاحب متفق ہیں۔

دُوسرا سوال

کیا مسیح جن کا آئندہ ظہور تسلیم کیا گیا ہے وہی عیسےٰ ابن مریم ہونگے یا کوئی اور

جواب (الف) امام سراج الدین ابن الوردی (وفات ۷۴۹ھ) کے قول کے مطابق امت میں تین گروہ مختلف خیالات کے پائے گئے ہیں۔

اول :- یہ کہ حضرت عیسےٰ ابن مریم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ آسمان پر بجسدہ العنصری اُٹھائے گئے تھے۔ اور وہ اب تک آسمان پر زندہ ہیں اور وہی آخری زمانہ میں دوبارہ آسمان سے نازل ہوں گے۔ اور یہی امام ابن الوردی کا اپنا مذہب ہے۔

دوم :- امت محمدیہ کا ایک گروہ کا یہ مذہب ہے کہ عیسےٰ ابن مریم کے نزول کے متعلق جو پیشگوئی ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے۔ کہ اصالتًا حضرت عیسےٰ ابن مریم علیہ السلام آئیں گے۔ بلکہ امت محمدیہ میں سے کوئی شخص مسیح کا ہم صفات یا اس سے مشابہت رکھنے والا مبعوث کیا جائے گا۔

سوم :- ایک گروہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی رُوح کسی اور شخص کے جسم میں ظاہر ہوگی۔

امام ابن الوردی کی اصل عبارت مع ترجمہ درج ذیل ہے۔ آپ نزول عیسےٰ کے عقیدہ کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔

ثُمَّ اخْتَلَفَ الْمُتَاوِلُوْنَ لَهٗ فَقَالَ اَكْثَرُهُمْ وَاَخْتُرُهُمْ بِالتَّصْدِيْقِ هُوَ اَنَّ عِيْسٰى عَلَيْهِ

السَّلَامُ بِعَيْنِهٖ يُرَدُّ إِلَى الدُّنْيَا وَقَالَتْ فِرْقَةٌ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى خُرُوْجُ رَجُلٍ يُشْبِهُ عِيْسٰى فِي الْفَضْلِ وَالشَّرَفِ كَمَا يُقَالُ لِلرَّجُلِ الْخَيْرِ مَلَكٌ وَلِلشِّرِّيْرِ شَيْطَانٌ تَشْبِيْهًا بِهِمَا وَلَا يُرَادُ الْاَعْيَانُ وَقَالَ قَوْمٌ رَدُّ رُوْحِهٖ فِيْ رَجُلٍ اِسْمُهٗ عِيْسٰى وَالْاٰخِرَانِ لَيْسَا بِشَيْءٍ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ"

(خریدۃ العجائب وفریدۃ الرغائب ص۲۱۴
مطبوعہ التقویم العلمی بشارع المسلوجی مصر)

ترجمہ:۔ پھر تاویل کرنے والوں نے نزول عیسےٰ کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے اکثر نے جو زیادہ سزاوار تصدیق ہیں یہ کہا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام بذاتہ دنیا میں واپس آئیں گے۔ اور ایک اور گروہ نے نزول عیسےٰ سے ایک ایسے شخص کا ظہور مراد لیا ہے جو فضل و شرف میں عیسےٰ علیہ السلام کے مشابہ ہوگا۔ جیسے کہ تشبیہ دینے کے لیے نیک آدمی کو فرشتہ اور شریر کو شیطان کہہ دیتے ہیں۔ مگر اس سے مراد فرشتہ یا شیطان کی ذات نہیں ہوتی۔ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کی رُوح ایک شخص کے جسم میں آئے گی جس کا نام عیسےٰ ہوگا۔ اور آخری دو رائیں بے حقیقت ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

امام سراج الدین ابن الوردی کے اس قول میں دوسرے گروہ کا جو مذہب بیان ہوا ہے وہی جماعت احمدیہ کا ہے۔ تیسرا گروہ بھی

درحقیقت دوسرے گروہ کی طرح یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ مسیح علیہ السلام آسمان سے خود نہیں آئیں گے لیکن یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام کی روح کسی شخص کے جسم میں حلول کرے گی۔ ان کے مقابلہ میں ایک اور گروہ ہے جو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بروزی آمد کا قائل ہے۔ اور مراد اس کی یہ ہے کہ عیسیٰؑ کی روحانیت کسی اور وجود میں ظاہر ہو گی۔ اس شدت مناسبت کی وجہ سے جو اس میں اور مسیح علیہ السلام میں پائی جائے گی۔ اس کو عیسیٰ کا نام دیا جائے گا۔ چنانچہ محمد اکرم صاحب صابری لکھتے ہیں۔

یعنی بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت از ہمیں بروز است مطابق ایں حدیث کہ لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم۔"

(اقتباس الانوار ص۵۲)

پس قائلین بروز کا عقیدہ بھی دوسرے گروہ کا ہی عقیدہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جماعت احمدیہ کا عقیدہ نزول مسیح ابن مریم کے بارے میں کوئی نیا عقیدہ نہیں ہے۔ بلکہ علماء امت محمدیہ کے ایک گروہ کا پہلے سے یہی عقیدہ رہا ہے۔

(ب) چونکہ قرآن کریم کی آیات سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ اسرائیلی نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور نیز قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو وفات پا جائیں وہ اس دنیا میں واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیامت کو ہی اٹھائے جائیں گے اس لئے ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ ابن مریم کا بذاتہ امت محمدیہ میں آنے کا خیال

ورنہ نہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی سے مراد یہی ہے کہ امت محمدیہ میں سے ایک شخص جو عیسٰے ابن مریم سے کمال مناسبت رکھتا ہوگا وہ اس مشابہت کی وجہ سے مسیح ابن مریم کہلائے گا۔

(ب) وفات مسیح

حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات قرآن مجید کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔ ان میں سے چند آیات درج ذیل ہیں۔

پہلی آیت:۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام سے اللہ تعالےٰ قیامت کے روز سوال کرے گا کہ کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ وہ تمہیں اور تمہاری والدہ کو خدا کے سوا معبود بنائیں۔ تو وہ جواب میں کہیں گے کہ میں نے تو ان سے وہی کچھ کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا (اور وہ بالکل صاف اور واضح حکم تھا کہ):۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ کہ تم اللہ تعالےٰ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کہیں گے:۔

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ (مائدہ رکوع ۱۶)

اور میں ان کا نگران اور محافظ تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔ مگر جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ تو پھر تو ہی ان کا رقیب و محافظ تھا۔ اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو کب معبود بنایا اور کیونکر بنایا۔ بہرحال میری زندگی میں ایسا نہیں ہوا۔ اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہے۔ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام وفات

پائے گئے ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے
سامنے اپنے دو زمانوں کا ذکر کریں گے۔ موجودگی کا زمانہ اور جب وہ اپنی
قوم میں موجود نہ رہے۔ ان دونوں زمانوں کے درمیان لفظ تَوَفَّيْتَنِي
بطور حدِ فاصل ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اپنی
قوم سے جدا ہونے کا باعث ان کی وفات ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ
وہ وفات پا چکے ہیں۔

اس سوال کے جواب کے متعلق بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ
ہو چکا یعنی عالم برزخ میں یہ سوال و جواب ہو چکا۔ اور بعض نے کہا ہے
یہ سوال و جواب قیامت کو ہوگا۔ بہرحال دونوں تفسیروں کی رُو سے ان کا
وفات پا جانا ثابت ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جواب سے ظاہر ہے
کہ عیسائیوں میں تثلیث کا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں نہیں
پھیلا بلکہ ان کی وفات کے بعد پھیلا ہے۔ اور قرآن مجید شہادت دیتا ہے۔
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ
(المائدہ رکوع ۱۰) اور لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ
(المائدہ رکوع ۱۰) جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے اور اسی طرح
وہ لوگ جو تثلیث کے قائل ہیں کافر ہیں۔ اس لئے لازمی طور پر ماننا
پڑتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔

اس استدلال کی صحت اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام بخاری
نے اس آیت کی تفسیر کرنے کے لئے لکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے دن میرے چند صحابہ پکڑے جائیں گے
تو میں کہوں گا کہ یہ میرے صحابہ ہیں۔ فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا

بَعْدَكَ فَأَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ فَيُقَالُ اِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰى اَعْقَابِهِمْ۔
(بخاری جلد ۲ ص ۶۶۵) تو یہ کہا جائے گا کہ تجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کچھ کیا۔ اور کیا کیا بدعات نکالیں۔ آپ فرماتے ہیں تو میں وہی قول کہوں گا جو قول عبد صالح یعنی عیسٰے علیہ السلام کا قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے کہ میں اس قوم پر نگران، شہید تھا جب تک کہ میں ان میں رہا۔ لیکن جب تو نے مجھے وفات دے دی۔ تو تو ہی ان پر رقیب (نگران) تھا۔ اور یہ کہا جائے گا کہ جب سے تو ان سے جدا ہوا وہ اسی وقت سے مرتد ہو گئے تھے۔

اس حدیث سے حضرت عیسٰے کے قول فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کی تشریح ہو گئی۔ اور ظاہر ہو گیا کہ جیسے مرتد ہونے والے صحابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہوئے۔ اسی طرح عیسائیوں میں تثلیث والوہیت مسیح کا عقیدہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کے بعد پھیلا۔ لہٰذا ان کی وفات ثابت ہے۔

دوسری آیت:۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران ع ۶)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسٰے علیہ السلام سے چار وعدے کئے ہیں۔ (۱) میں تجھے طبعی وفات دوں گا۔ یعنی دشمن جو

تیرے قتل کے منصوبے کر رہے ہیں میں انہیں ناکام کر دوں گا۔ اور تجھے طبعی وفات دوں گا۔ (۲) میں تیرا اپنی طرف رفع کرونگا۔ (۳) اور تجھے منکرین کے الزامات اور اعتراضات سے بری کروں گا۔ (۴) اور تیرے متبعین کو تیرے منکرین پر قیامت تک غالب رکھوں گا۔

قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ چاروں وعدے پورے ہو چکے ہیں۔ مُتَوَفِّيْكَ میں جو طبعی وفات کا وعدہ تھا اس کا پورا ہونا آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ سے ظاہر ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔

دوسرے وعدے کے متعلق فرمایا: بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء ع ۲۲) کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کا رفع اپنی طرف کیا۔

(۳) اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ اور اَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرما کر اور ان کی پاکیزگی اور روحانی مراتب کا ذکر کر کے ان کی الزامات سے بریت ثابت کی۔ اور یہود کے الزامات کی موجبہ طور پر تردید کی۔

(۴) اور آیت فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ (الصف ع ۲) میں چوتھے وعدہ کے ایفا کا ذکر کیا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ان کے نہ ماننے والے گروہ پر غالب آگئے۔

الغرض یہ سب وعدے پورے ہو چکے ہیں۔ سب سے پہلا وعدہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ ہے اور محققین مفسرین مثلاً امام زمخشری صاحب تفسیر کشاف اور امام فخرالدین رازی وغیرہ نے اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ اور یہود تجھے قتل نہیں کر سکیں گے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے [illegible] مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ روایت کئے ہیں یعنی

ہیں تجھے موت دینے والا ہوں۔ اور رَافِعُكَ اِلَیَّ کے معنی بھی محقق مفسرین نے روحانی رفع کے کئے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں ایک قول یہ ذکر کیا ہے۔

"وَرَافِعُكَ اِلَیَّ هُوَ الرِّفْعَةُ بِالدَّرَجَةِ وَالْمَنْقَبَةِ لَا بِالْمَكَانِ وَالْجِهَةِ كَمَا اَنَّ الْفَوْقِيَّةَ فِي هٰذِهِ الْاٰيَةِ لَيْسَتْ بِالْمَكَانِ بَلْ بِالدَّرَجَةِ وَالرِّفْعَةِ" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ [illegible])

آیت وَرَافِعُكَ اِلَیَّ میں درجہ و رتبہ و شان کی بلندی اور رفعت مراد ہے۔ مکان اور جہت کی طرف اٹھانا مراد نہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں منکرین پر فوقیت سے مراد کبھی مکانی نہیں بلکہ درجہ اور رفعت کی فوقیت مراد ہے۔ بعض مفسرین جنہوں نے مُتَوَفِّيكَ میں تغیر یا پورا پورا پکڑنا یا اور تاویلیں کی ہیں۔ مثلاً کہا ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے جیسا کہ صاحب فتح البیان نے اقرار کرکے کہ یہاں وفات سے موت مراد نہیں لیتے ہیں۔

اِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاْوِیْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ الصَّحِيْحَ اَنَّ اللّٰهَ رَفَعَهُ اِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ

(فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹)

کہ مفسرین کو لفظ وفات کی تاویل کرنے کی اس لئے ضرورت پڑی کیونکہ صحیح بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح کو بغیر وفات یا بغیر موت دینے کے آسمان پر اٹھا لیا تھا۔ اور یا اصل آیت سے قرآن کی رو سے ثابت ہوتی تھی۔ لیکن چونکہ ان کا اپنا عقیدہ تھا کہ وہ آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اور [illegible] بات کو قرآنی آیت کے

تابع کرتے مفسرین نے اپنے تعبیر کو اصل قرار دے کر نص قرآنی آیت کی تاویل کر دی۔ لیکن امام ابن حزم نے اس تاویل کی تردید کی ہے۔ اور آیت انی متوفیک اور آیت فلما توفیتنی کا ذکر کر کے لکھا ہے۔

لَمْ يُرِدْ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَوْلِهٖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ وَفَاةَ النَّوْمِ وَصَحَّ اِنَّهٗ اِنَّمَا عَنٰى وَفَاةَ الْمَوْتِ" (المحلی [illegible])

یعنی آیت فلما توفیتنی میں توفی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نیند مراد نہیں بلکہ موت مراد ہے۔

توفی کے معنی

عربی زبان میں توفی کا لفظ باب تفعل سے ہو اور اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ہو اور مفعول ذی روح انسان ہو اور منام یا لیل کا کوئی قرینہ نہ ہو جس سے نیند والی قبض روح مراد ہو تو اس کے معنی قبض روح اور موت کے سوا اور کوئی نہیں ہوتے۔ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے ایسے شخص کو ایک ہزار روپیہ بطور انعام دینے کا وعدہ کیا ہے جو اس معنی کے خلاف قرآن کریم، حدیث شریف، دواوین عرب اور دیگر کتب عربیہ اور عربی لغت سے کوئی ایک ہی مثال پیش کرے۔ قریبًا ساٹھ سال سے ہمارا یہ چیلنج قائم ہے مگر کوئی ایک مثال بھی اس کے خلاف پیش نہیں کر سکا۔

مذکورہ بالا ترکیب کے مطابق جہاں کہیں توفی وارد ہوا ہے اس سے قبض روح یعنی موت ہی مراد ہے۔ مثلاً آیات قرآنی [illegible]

مَعَ الْاَبْرَارِ۔ (آل عمران ع ۲۰) تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا۔ (یوسف ع ۱۱) اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (مومن ع ۸) وغیرہ آیات میں توفی سے مراد وفات ہی ہے۔ اسی طرح عربی ڈکشنریوں میں تَوَفَّاہُ اللّٰہُ کے معنی قَبَضَ رُوْحَہٗ ہی لکھے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ شخص مر گیا۔

رفع:۔ اسی طرح جب رفع کرنے والا خدا ہو اور مرفوع کوئی انسان ہو۔ تو اس کے معنی جسمانی رفع کے ہرگز نہیں ہوتے۔ بلکہ بلندی درجات اور قرب روحانی کے ہوتے ہیں۔ عربی زبان کی ڈکشنری لسان العرب میں لکھا ہے۔

وَفِیْ اَسْمَاءِ اللّٰہِ الرَّافِعُ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ:

(لسان العرب زیر لفظ رفع جلد ۹ صفحہ ۴۶۸)

کہ اللہ تعالیٰ کے نام الرافع کا یہ مطلب ہے کہ وہ مومنوں کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انہیں سعادت بخشتا ہے اور اپنے اولیاء کا ان معنوں میں کہ ان کو اپنا مقرب بنا لیتا ہے مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵)
جو اللہ تعالیٰ کے آگے خاکساری اختیار کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔

بلکہ ایک اور روایت میں ہے اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵۳)
کہ جب بندہ فروتنی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان تک۔

رفیع کرتا ہے۔ باوجود اس روایت میں آسمان کا لفظ ہونے کے کوئی یہ معنی نہیں کرتا کہ فروتنی اور انکساری اختیار کرنے والے شخص کو اللہ تعالےٰ آسمان پر اٹھا لیا کرتا ہے۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے لئے رفعہ اللہ الیہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ ماثبت بالسنۃ مطبع محمدی لاہور صلہ۲۹ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نیز تفسیر صافی صلہ۱۱۳)

پس لفظ رفع سے بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا ثابت نہیں ہوتا۔ اور یہ لفظ قرآن مجید میں ان کے لئے یہود کے اعتراض کو دور کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں۔ ہم نے اس مسیح ابن مریم کو جو اپنے آپ کو خدا کا رسول اور اس کا مقرب بتاتا تھا۔ صلیب پر لٹکا کر مار دیا ہے۔ اور ان کے عقیدہ کے مطابق جو مصلوب ہو وہ خدا کے نزدیک لعنتی ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے لفظ رفع کے ساتھ انہیں یہ جواب دیا ہے کہ حضرت یہ کہ وہ لعنتی نہیں تھا بلکہ وہ میرا مقرب تھا۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ان کی پیدائش سے پہلے بطور پیشگوئی فرمایا تھا۔ ومن المقربین (آل عمران ۴۵) کہ وہ مقرب ہوگا۔

تیسری آیت:۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ۔ (آل عمران ۱۴۴) ترجمہ:۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں پس اگر آپ فوت ہو جائیں یا قتل کئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔ اور اس آیت میں

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت جن میں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی شامل ہیں وفات پا جانے کی خبر دی ہے اور دنیا سے گذر جانے کے صرف دو طریق قرار دیئے ہیں موت اور قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گذرنے کی ہوتی۔ جیسے آسمان پر چلے جانا تو اس کا بھی اس آیت میں ذکر ہوتا۔

پس اس آیت سے بھی حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات ثابت ہے۔

اجماع صحابہؓ

احادیث میں آتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے اور آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پھیلنی شروع ہوگئی تو صحابہ کو آپؐ کی وفات کا یقین نہیں آتا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جو کوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہے گا۔ اس کی گردن اڑا دونگا۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے اس روز ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے فرمایا:۔

مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰہُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ۔ (بخاری جلد ۱ ع ۱۹ ص)

جو تم میں سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا تو وہ سُن لے محمدؐ فوت ہو چکے ہیں۔ اور جو تم میں سے اللہ کا پرستار ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ زندہ ہے۔ اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے کہ محمدؐ تو اللہ تعالیٰ کے صرف ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے جس قدر رسول آئے وہ وفات پا چکے ہیں۔

یہ آیت پوری پڑھ کر سنائی۔ دوسری روایت میں ہے۔
"فَتَلَقَّاهَا النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا أَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ إِلَّا يَتْلُوهَا"

کہ یہ آیت تمام لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے سن کر یاد کر لی پس میں ہر ایک شخص کو اس دن اس آیت کو تلاوت کرتے ہوئے سنتا تھا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب یہ آیت پڑھی تو اسے سنکر مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ اور زمین پر گر گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فی الواقعہ وفات پا چکے ہیں۔

اس آیت سے حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کو دلیل استقرائی پیش کر کے توڑا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس آپ کی وفات کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کا اگر یہ ایمان ہوتا کہ حضرت عیسےٰ آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں۔ تو وہ اس وقت یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ حضرت عیسےٰ بھی تو رسول ہی تھے۔ وہ کیوں زندہ ہیں۔ لیکن کسی صحابی کا ایسا ذکر نہ کرنا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اس دلیل سے کہ آپ کے پہلے تمام رسول وفات پا چکے ہیں۔ یقین کر لینا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ تمام صحابہ ان سب رسولوں کی منجملہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔

احادیث:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَوْ كَانَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا إِلَّا اتِّبَاعِي۔

(ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۶)

کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دونوں زندہ نہیں ہیں۔

(۲) ایک حدیث میں یہ بھی ہے۔ لَوْ كَانَ عِيسَىٰ حَيًّا لَمَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي۔ (شرح فقہ اکبر صفحہ ۱۰۱)

یعنی اگر عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

ہمیں چار اماموں میں سے پہلے امام حضرت امام مالک بن انسؒ ہیں وہ بھی وفات مسیحؑ کے قائل ہیں۔

وَالْأَكْثَرُ أَنَّ عِيسَىٰ لَمْ يَمُتْ وَقَالَ مَالِكٌ مَاتَ (مجمع بحار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ عیسیٰ نہیں مرے۔ مگر امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

تاریخ:۔ جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ تمام صحابہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا اس امر پر (یعنی وفات مسیح پر) اجماع ہو گیا تھا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اگر کوئی شخص عیسائی خیالات سے متاثر ہو کر حضرت عیسیٰ کی وفات کے بارے میں شبہ بھی رکھتا ہو تو رکھتا ہو لیکن آپ کی وفات پر کل صحابہ ان تمام انبیاء کی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزرے تھے وفات کے قائل ہو گئے تھے مگر بعد میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کو آپ کی تکذیب کی وجہ بنا لیا

تھی۔ اور کہتے تھے۔ لَوْ کَانَ مُحَمَّدٌ نَبِیًّا لَمَا مَاتَ کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ
وسلم نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ اس کا جواب قرآن مجید سے یہی دیا گیا کہ آپ
سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ سب وفات پا چکے ہیں۔ اس لئے آپ کا
وفات پانا بھی آپ کی شان نبوت کے مخالف نہیں۔ مگر مخالفین کا فتنہ
تمام قبائل میں پھیل گیا۔ اور اسی بنا پر کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نبی تھے
تو فوت کیوں ہو گئے۔ اہل بحرین و حطم وغیرہ مرتد ہو گئے چنانچہ
مشہور مورخ ابن جریر الطبری جارود بن معلی کے قبیلے عبد القیس کے
متعلق لکھتے ہیں کہ انہیں اسلام میں داخل ہوئے تھوڑی ہی مدت
ہوئی تھی۔ اور جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو
قبیلے عبد القیس نے کہا کہ اگر محمد نبی ہوتے تو وہ کبھی فوت نہ ہوتے۔ اور
سب مرتد ہو گئے۔ جب اس کی اطلاع جارود کو ہوئی تو انہوں نے سب
کو جمع کیا۔ اور کہا۔ اے گروہ عبد القیس میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں
اگر تم اسے جانتے ہو تو بتانا۔ انہوں نے کہا جو چاہو پوچھو۔ جارود
نے کہا جانتے ہو کہ گذشتہ زمانہ میں اللہ کے نبی دنیا میں آ چکے
ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ جارود نے کہا پھر کیا ہوا۔ انہوں نے
کہا وہ فوت ہو گئے تو انہوں نے کہا اسی طرح محمد صلے اللہ علیہ وسلم
انتقال فرما گئے جس طرح سابقہ انبیاء دنیا سے اٹھ گئے۔ میں اعلان
کرتا ہوں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ۔ ان کی قوم نے کہا ہم بھی شہادت دیتے ہیں۔
کہ سوائے اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں۔ اور بے شک محمد اس
کے بندے اور رسول ہیں اور ہم تم کو اپنا ... سید اور سردار

تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ اسلام پر ثابت قدم ہو گئے۔"
(ترجمہ تاریخ طبری جلد اول حصہ چہارم صفحہ ۹۴-۹۵
(مطبوعہ دارالمطابع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اس تاریخی واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین نے اپنے ارتداد کی وجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات قرار دی۔ اور ان کی یہ دلیل آپ سے پہلے تمام نبیوں کی وفات پیش کر کے توڑ دی گئی۔ اور یہ دلیل صرف اسی صورت میں درست ہو سکتی تھی۔ جبکہ آپ سے پہلے گذرے ہوئے کل نبیوں کی وفات تسلیم کی جاتی۔

اس سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کرام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے گذرے ہوئے انبیاء کی وفات کی طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے۔ لیکن بعد میں جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات ہوئیں۔ اور عیسائی جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور ان کی تربیت کا کما حقہٗ انتظام نہ ہو سکا تو ان کے ذریعہ مسلمانوں میں وہ خیالات پھیلنے شروع ہو گئے جو وہ اسلام لانے سے پہلے رکھتے تھے۔ اور چونکہ عیسائی اور یہودی اہل کتاب اور اہل علم شمار کئے جاتے تھے۔ جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کی باتوں کو عام مسلمان توجہ سے سننے لگے۔ اور آہستہ آہستہ قرآن مجید کی آیتیں ان خیالات کے مطابق حل کی جانے لگیں۔ چنانچہ تفاسیر میں ایسی ایسی باتیں ملتی ہیں۔ جو عیسائی اور یہودی خیالات سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً علامہ ابن کثیر

نے اپنی تفسیر میں وہب بن منبہ سے آیت انی متوفیک ورافعک
کی تفسیر کے ذیل میں یہ قول نقل کیا ہے۔
"اَمَاتَهُ اللّٰهُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ثُمَّ
رَفَعَهُ"

(ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)

کہ اللہ تعالٰے نے مسیح علیہ السلام کو تین دن تک وفات دی۔ اور
پھر انہیں اٹھایا۔ اور پھر انہیں آسمان پر لے گیا۔
اسی طرح سعید بن المسیب نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے۔
"رُفِعَ عِيْسٰى وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّثَلَاثِيْنَ سَنَةً
رَفَعَهُ اللّٰهُ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ" (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۱)
کہ عیسٰے ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔ اور اللہ تعالٰے نے انہیں
بیت المقدس سے آسمان پر اٹھا لیا۔
ان دونوں قولوں میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ موجودہ اناجیل
متی۔ مرقس۔ لوقا۔ یوحنا میں بالصراحت موجود ہے۔ اور امام ابن القیم نے
اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے۔ "وَاَمَّا مَا يُذْكَرُ عَنِ الْمَسِيْحِ اَنَّهُ
رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ وَلَهُ ثَلَاثَةٌ وَّثَلَاثُوْنَ سَنَةً فَهٰذَا لَا يُعْرَفُ
لَهُ اَثَرٌ مُتَّصِلٌ يَجِبُ الْمَصِيْرُ اِلَيْهِ" (زاد المعاد جلد اول صفحہ ۲۱
مطبوعہ نول کشور) کہ یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ۳۳
سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ تو اس کے لئے کوئی ایسی متصل
روایت نہیں پائی جاتی جس سے اس کی تصدیق ہو سکے۔ اور اس کی طرف رجوع
کیا جا سکے۔ اور صاحب فتح البیان نے اسے ذکر کرکے لکھا ہے۔ "قَالَ الشَّامِيُّ

وَهُوَ كَمَا قَالَ فَإِنَّ ذَالِكَ اِنَّمَا يُرْوٰى عَنِ النَّصَارٰى وَالْمُصَرَّحُ بِهٖ فِي الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ اَنَّهٗ رُفِعَ وَهُوَ ابْنُ مِائَةٍ وَعِشْرِيْنَ سَنَةً۔
(فتح البیان جلد ۲ ص ۴۹) شامی نے کہا ہے کہ امام ابن قیم کی بات درست ہے کیونکہ یہ بیان عیسائیوں کا ہے اور احادیث نبویہ میں تصریح سے آیا ہے کہ ان کا رفع اس وقت ہوا جبکہ ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ ہم کہتے ہیں۔ حدیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ۱۲۰ سال عمر کا تو ذکر ہے لیکن رفع کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ الغرض مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور ان کے آسمان پر زندہ رہنے کا عقیدہ درحقیقت نو مسلم عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں میں آیا۔ اور ان احادیث سے جن میں نزول مسیح کا ذکر تھا۔ اس خیال کو تقویت حاصل ہوئی۔ اور یہ عقیدہ اتنا پھیلا کہ اس کے منکر کو کافر کا خطاب دیا جانے لگا۔ اور عیسائیوں نے اس عقیدہ کو حضرت مسیح علیہ السلام کی فضیلت کی دلیل بنا کر مسلمانوں کو مرتد بنانا شروع کر دیا اور اس عقیدہ کی اس وسیع اشاعت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنیوالے مسیح کے حق میں فرمائی تھی کہ وہ کسر صلیب کرے گا۔ یعنی وہ مسیح کی صلیبی موت کے عقیدہ کو جو عیسائی مذہب کی جان ہے۔ باطل ثابت کرے گا۔ اور اس کی طبعی وفات کو بدلائل قویہ ثابت کر کے ہمیشہ کے لئے عیسائیت کا خاتمہ کر دے گا۔ اور اس پیشگوئی کی عظمت جبھی ثابت ہو سکتی تھی کہ اس کی آمد کے وقت مسیح کی آسمان پر زندگی کا عقیدہ نہایت خطرناک صورت اختیار کر چکا ہو۔

لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر تفصیل سے بیان کر دیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا یہ عقیدہ نہیں تھا۔ وہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے قائل تھے اور دوسری صدی میں امام مالکؒ نے وفات مسیح کا ہی اعلان کیا۔ امام محمد طاہر لکھتے ہیں :-

وَالْاَکْثَرُ اَنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ

(مجمع البحار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

کہ اکثر تو یہی کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نہیں مرے لیکن امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

پس قرون اولیٰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجسد عنصری آسمان پر جانے کا عقیدہ نہیں پایا جاتا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں مصر کے ایک بڑے عالم الشیخ محمود شلتوت نے بھی تفصیلی بحث کر کے لکھا ہے۔

اِنَّہٗ لَیْسَ فِی الْقُرْاٰنِ وَلَا فِی السُّنَّۃِ الْمُطَھَّرَۃِ مُسْتَنَدٌ یَصْلُحُ لِتَکْوِیْنِ عَقِیْدَۃٍ یَطْمَئِنُّ اِلَیْھَا الْقَلْبُ بِاَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ بِجِسْمِہٖ اِلَی السَّمَاءِ وَاِنَّہٗ حَیٌّ اِلَی الْاٰنَ فِیْھَا وَاِنَّہٗ سَیَنْزِلُ مِنْھَا فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ اِلَی الْاَرْضِ

(الرسالۃ مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۴۲ء القاہرۃ مصر)

ترجمہ :- قرآن مجید اور سنت مطہرہ میں کوئی ایسی سند نہیں ہے جس سے اس عقیدہ پر دل مطمئن ہو سکے کہ حضرت عیسیٰ اپنے جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور اب تک وہ آسمان پر زندہ ہیں۔ اور یہ کہ وہی آخری زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔

ج ۔ عدم رجوع موتیٰ

اس بات کے ثابت کر چکنے کے بعد کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وفات یافتہ دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ یہ مضمون قرآن کریم کی بہت سی آیات میں پایا جاتا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:-

(۱) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (البقرہ ع ۳) تم اللہ تعالےٰ کا کیونکر انکار کرتے ہو حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے۔ تو اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے اس دنیا کی زندگی کے بعد کی موت کے سوا اور کوئی موت نہیں رکھی۔ بلکہ فرمایا ہے کہ اس موت کے بعد جو تمہیں زندگی ملے گی وہ دائمی ہوگی۔

(۲) ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ (مومنون ع ۱) کہ تم دنیا میں زندہ ہونے کے بعد مرنے والے ہو پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس آیت میں بھی یہی فرمایا ہے۔ کہ موت کے بعد اس دنیا میں سلسلہ ختم کر آتی ہے پھر قیامت کے دن ہی اٹھیں گے۔ اس دنیا میں کوئی نہیں آئے گا۔

(۳) اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى (الزمر ع ۵) اللہ تعالےٰ ارواح کو قبض کرتا ہے ان کے

مرنے کے وقت اور جو نہ مریں ان کی سونے کے وقت) یعنی ناقص طور پر
قبض روح نیند کے وقت ہوتا ہے اور کامل طور پر موت کے وقت
چنانچہ فرمایا جس) پر موت کا فیصلہ کرتا ہے اس روح کو روک لیتا ہے
اور دوسری کو ایک مقررہ اجل تک کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔
اس آیت میں صریح طور پر فرمایا کہ جو مر جاتا ہے اس کی روح واپس
نہیں بھیجی جاتی۔

(۲) اسی طرح حدیث میں آتا ہے کہ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ
جنگ احد میں شہید ہو گئے انہوں نے اولاد اور بہت سا قرضہ چھوڑا حضرت
جابرؓ اس حادثہ سے پریشان تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں
خوشخبری دی۔ کہ ان کے والد سے اللہ تعالےٰ نے بالمشافہ کلام کیا۔ اور کہا
کہ اے میرے بندے تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِكَ کہ مجھ سے مانگ جو چاہتا ہے
میں تجھے دوں گا۔ عبداللہ نے کہا کہ اے خدا مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج
دے تا میں پھر تیرے راستہ میں قتل کیا جاؤں۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ
یہ میں پہلے وعدہ کر چکا ہوں کہ جو وفات پا جائیں گے وہ پھر دنیا میں واپس
نہیں جائیں گے۔ (مشکوٰۃ باب جامع المناقب)

الغرض امت محمدیہ کو ایک مسیح کے آنے کا وعدہ دیا گیا ہے مگر وہ
موعود مسیح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ وفات پا چکے
ہیں۔ اور وفات یافتہ واپس نہیں آ سکتا۔ اس لئے جو آنے والا ہے وہ
مسیح ان کا مثیل ہوگا۔ اور اسے مسیح ابن مریم کا نام بوجہ مشابہت
دیا گیا ہے۔ اور اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِهُهٗ فِیْ اَکْثَرِ
خَوَاصِّهٖ اَوْ صِفَاتِهٖ جَائِزٌ۔ یعنی ایک چیز کے نام کا اطلاق

دوسری چیز پر بھی جو اس کے اکثر خواص و صفات میں مشابہ ہو جائز اور مستحسن ہے۔ (تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی جلد ۲ صفحہ ۶۸۹)

مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابوسفیان نے کہا:۔

لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنُ اَبِیْ کَبْشَۃَ۔ (تجرید بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲)

(مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور)

ابن ابی کبشہ یعنی خزیمہ سے تھا اور خدا کو ایک مانتا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی چونکہ ایک خدا کی طرف دعوت دیتے تھے اس لئے اس مماثلت کی وجہ سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا گیا۔ حالانکہ آپ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ تھا ابوکبشہ نہ تھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند نے اپنے مرید شیخ یعقوب کرخی کو زید بن حارثہ اس مماثلت کی وجہ سے کہا کہ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو اپنا بیٹا کہا تھا۔ اسی طرح حضرت خواجہ نقشبند بھی اپنے مرید مذکور کو اپنا بیٹا کہتے تھے (ملاحظہ ہو رسالہ انسیہ مصنفہ شیخ یعقوب کرخی صفحہ ۱ مطبوعہ مطبع محبوب المطابع میرٹھ)

اسی طرح مولانا روم اپنے متعلق فرماتے ہیں:۔

علیسیم لیکن ہر آں کو یافت جاں
از دم من او بماند جاوداں
شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد
شاداں کو جاں بدیں عیسیٰ سپرد

(مثنوی دفتر چہارم صفحہ ۵۵)

ان شعروں میں مولانا روم نے اپنے آپ کو عیسیٰ کہا ہے۔

لفظ نزول کے معنی

احادیث میں مسیح موعودؑ کے لئے جو لفظ نزول کا آیا ہے اس سے مراد محض مبعوث ہونا ہے۔ آسمان سے اترنا مراد نہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ نزول (قَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُولًا) (سورہ طلاق ع ۲) یعنی بعثت استعمال ہوا ہے۔ اور سورہ حدید (رکوع ۳) میں لوہے کے لئے (وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ) اور سورہ زمر ع ۱ میں جانوروں کے لئے (أَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ) بمعنی پیدائش استعمال ہوا ہے اور مسیح موعود کے لئے بعض احادیث میں نزول کی بجائے يُبْعَثُ (صحیح مسلم) کہ اللہ تعالیٰ نے بھیجے گا استعمال ہوا ہے۔ پس لفظ نزول آسمان سے اترنے کو مستلزم نہیں ہے۔

(ھ) اختلاف حلیتین

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ مسیحؑ کا اور حلیہ اور آنیوالے مسیح کا اور حلیہ بیان فرمایا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ کے ذیل میں ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ سے بیان کی ہے (۱) کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اسراء کی رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ اور آپ نے ان کی یہ صفت بیان فرمائی رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ یعنی الحمام کہ وہ درمیانہ قد سرخ رنگ نہایت حسین تھے گویا وہ حمام سے نکلے ہیں۔

(۲) پھر اس کے بعد امام بخاریؒ نے ایک اور حدیث حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رَاَیْتُ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَاِبْرَاھِیْمَ فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِیْضُ الصَّدْرِ۔

کہ میں نے موسیٰ اور عیسےٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا حضرت عیسےٰ علیہ السلام سُرخ رنگ گھنگھروالے بال اور چوڑے سینے والے تھے۔ (تجرید بخاری مترجم اردو ص۴۳۲ محمد دین اینڈ سنز کشمیری بازار۔ لاہور)

اس سے ظاہر ہے کہ معراج کی رات میں آپ نے حضرت عیسےٰ کو جو بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے حضرت ابراہیم اور حضرت موسےٰ کے ساتھ دیکھا اور ان کو سُرخ رنگ میانہ قد اور گھنگھروالے بالوں والا پایا۔ اس جگہ امام بخاریؒ نے دو مختلف راویوں سے یہ حدیثیں بیان کی ہیں تا اس امر کے عیسےٰ کا حلیہ کیا تھا کوئی شک باقی نہ رہے۔

دو اور حدیثیں

اس کے بعد امام بخاریؒ نے دو حدیثیں اور بیان کی ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک رؤیا کا ذکر ہے جس میں آپ نے مستقبل میں ظاہر ہونے والے دجّال کو خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے دیکھا اور اس کے پیچھے یا آگے (یہاں وراء کا لفظ ہے جس کے دونوں معنے ہوتے ہیں۔ ناقل) مسیح ابن مریم کو خانہ کعبہ کا طواف

کرتے پایا

اس حدیث کو بھی امام بخاری نے دو مختلف راویوں کے واسطہ سے ذکر کیا ہے۔ اس میں سے پہلی روایت نافع نے عبداللہ بن عمر سے اور دوسری سالم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ اور ان دونوں روایتوں میں آنے والے مسیح ابن مریم کا جسے آپ نے دجال معہود کے پیچھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا یہ حلیہ بتایا ہے۔

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُہٗ بَیْنَ مَنْکِبَیْہِ رَجِلُ الشَّعْرِ۔

کیا دیکھتا ہوں ایک مرد جس کا رنگ گندمی ہے۔ گندم گوں مردوں میں سے بہت ہی خوبصورت ہے اور اس کے بال اس کے کندھوں پر لٹکے ہوئے ہیں سیدھے بالوں والا ہے۔

سالم کی روایت یوں ہے۔

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ سَبِطُ الشَّعْرِ۔

کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مرد جس کا رنگ گندم گوں ہے اور بال بالکل سیدھے پھر اس کے ساتھ ہی سالم کی روایت میں دجال کا حلیہ اَحْمَرُ جَسِیْمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ سرخ رنگ جسیم اور گھنگر والے بالوں والا ہوگا۔ (جس کے معنی ہیں وہ سرخ رنگ والا مسیح توم سے ہوگا)

(بخاری جلد اول ۴۸۹ مطبع اصح المطابع دہلی)

پس امام بخاری نے یہ التزام فرمایا ہے کہ جہاں حضرت عیسیٰ کا ذکر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے ساتھ کیا ہے وہاں تو

ان کو سُرخ رنگ بتایا ہے اور جہاں آنے والے دجال کے ساتھ طواف کرتے دیکھا ہے۔ وہاں گندم گوں بیان کیا ہے اور کتاب الفتن میں بھی آنے والے مسیح کی حلیہ گندم گوں ہی لکھا ہے۔ اس حلیہ کے اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مسیح جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی وفات شدہ انبیاء کے ساتھ معراج کی رات دیکھا وہ اور ہیں اور آنے والا مسیح اور ہے۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ نے آنے والے مسیح کے متعلق جو روایت اپنی مسند میں بیان کی ہے اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی کو امام مہدی قرار دیا ہے۔ اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے آنیوالے ابن مریم کے متعلق جو حدیث لکھی ہے۔ اس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ اور فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ کے الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ جن سے نہایت صفائی کے ساتھ ظاہر ہے کہ اس آنیوالے کو ابن مریم یا مسیح ابن مریم یا عیسےٰ ابن مریم فرمانا بطور استعارہ ہے نہ بطور حقیقت اور حدیث کے الفاظ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرکے فرمائے تھے۔ اور جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ ابن مریم تمہارا ایک امام ہوگا۔ جو تمہیں میں سے ہوگا۔ اس امر کو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن کر دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جس ابن مریم کے آنے کی خبر دی ہے۔ وہ مسیح ناصری علیہ السلام ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ ابن مریم امت محمدیہ میں پیدا ہونے والا اور اس کا ایک امام ہوگا۔ اور امت محمدیہ کا خیرالامم ہونا بھی مقتضی تھا۔ کہ آنے والا مسیح امت محمدیہ میں سے ہی آئے۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی اولاد ہے۔

کیونکہ اسرائیلی مسیح کے آنے سے تو یہ ظاہر ہے کہ جب اس امت کو اپنی اصلاح اور اشاعت دین کے لئے ایک مسیح کی ضرورت پڑتی ہے تو روحانی مراتب کی محرومیت کی وجہ سے اس امت کا کوئی فرد مسیحیت کا مقام حاصل نہ کر سکا۔ اور اسرائیلی مسیح اس کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے۔ اور یہ امر کہ بلحاظ کردار یہود تو اس امت میں سے بہت سے بن جائیں۔ اور مسیح کا مقام ایک بھی حاصل نہ کر سکے۔ امت محمدیہ کے لئے بھی ایک بہت ہی بدنما داغ ہوتا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم کے بھی سراسر خلاف کیونکہ اللہ تعالےٰ نے امت محمدیہ کو خیر الامت کا خطاب عطا فرمایا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا۔

چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اس لئے کوئی روحانی کمال خواہ کتنا ہی بڑا ہو ایسا نہیں جو آپؐ کی پیروی کی برکت سے مل سکے۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بھی تحریک احمدیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"جہاں تک میں اس تحریک کا مفہوم سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام ایک فانی انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کے دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا پہلو لئے ہوتے ہے۔"

(آزاد ۲۷ر اپریل ۱۹۵۰ء)

(و) نیا گروہ

آجکل ایک چوتھا گروہ بھی پیدا ہو گیا ہے۔ جس کا یہ خیال ہے کہ مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ ایک وہم ہے۔ درحقیقت کوئی مسیح نہیں آئے گا۔ اس خیال کی بڑی وجہ مایوسی ہے جب ایسے لوگوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ہے۔ مگر ان کی خواہش کے مطابق کوئی مسیح نہیں آیا۔ تو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ کہ مسیح کی آمد ثانی کا خیال ہی غلط ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے اپنے طریق کے مطابق اور حدیث نے اپنے اسلوب کے مطابق نہایت واضح طور پر اس امت میں سے ایک مسیح کے آنے کا ذکر فرمایا ہے اور کوئی ایسی حدیث نہیں جس میں کہا گیا ہو کہ مسیح نہیں آئے گا۔ بلکہ تمام محدثین اور امت محمدیہ نسلاً بعد نسل مسیح کی آمد ثانی کا عقیدہ رکھتی چلی آئی ہے۔ اختلاف اگر ہوا ہے تو وہ مسیح موعود کے ظہور کے طریق میں ہوا ہے جس کے متعلق ہم اوپر مفصل بحث کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اور سید سلیمان ندوی

ڈاکٹر اقبال کے اس سوال کا جواب کہ کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جو حیات و نزول مسیح ابن مریم کے منکر ہوں اگر حیات کے قائل ہوں اور نزول کے منکر ہوں۔ معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟

سید سلیمان ندوی نے یہ جواب دیا کہ:۔

"مجھے جہاں تک علم ہے نزول مسیح کا انکار کسی نے نہیں کیا معتزلہ کی کتابیں نہیں ملتیں جو حال معلوم ہو۔ البتہ ابن حزم وفات مسیح کے قائل تھے ساتھ ہی نزول کے بھی۔"

(اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال حصہ اول حاشیہ صفحہ ۱۹۶ مرتبہ شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔اے)

ہم معتزلہ کے اس مذہب کا اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ کہ مسیح کے علاوہ کوئی اور مہدی نہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی نزول مسیح کے قائل تھے۔

اندریں حالات جبکہ امت محمدیہ قرن اول سے لے کر آج تک نزول مسیح کی قائل رہی ہے تو کسی شخص کا یہ کہہ دینا کہ مسیح موعود کا عقیدہ مجوسیت یا یہودیت سے مستعار لیا گیا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔

ایلیاہ نبی کی آمد ثانی

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ امت محمدیہ کو بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چلنا تھا اور انہی حالات میں سے گذرنا تھا جن میں سے بنی اسرائیل گذرے تھے اور ایسا ہی ہوا۔ اور بعینہ اسی طرح کا واقعہ امت اسرائیلیہ میں بھی ہو چکا ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل کی کتابوں میں لکھا تھا کہ مسیح کے آنے سے پیشتر ایلیاء نبی آسمان سے نازل ہوں گے چنانچہ بائیبل کی کتاب سلاطین باب ۲ میں لکھا ہے کہ ایلیاہ آسمان پر اٹھایا گیا۔ اور ملاکی نبی کی کتاب باب ۴ آیت ۵ میں لکھا ہے:۔

"دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے

سے پیشتر میں ایلیاد نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔"
اسی بنا پر یہودی ایلیاد کے آسمان سے اترنے کا انتظار کرتے رہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا تعالےٰ کی طرف سے مسیح موعود بنا کر بھیج دیئے گئے۔ اور جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو یہود نے تکذیب کی۔ اور کہا کہ آپ مسیح موعود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسیح سے پہلے تو ایلیاد کا آسمان سے اترنا ضروری ہے۔

چنانچہ انجیل میں لکھا ہے کہ:۔
"اور شاگردوں نے اس سے پوچھا۔
پھر فقیہہ کیوں کہتے ہیں کہ پہلے الیاس کا آنا ضرور ہے یسوع نے انہیں جواب دیا۔ کہ الیاس البتہ پہلے آئیگا اور سب چیزوں کا بندوبست کرے گا۔ پر میں تم سے کہتا ہوں کہ الیاس تو آ چکا لیکن انہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ اور جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔"
(انجیل متی ۱۱/۱۱)

اس سے ظاہر ہے کہ ایلیاء کے آسمان سے آنے کی پیشگوئی ایسی مسلّم اور اتنی مشہور و مقبول تھی کہ مسیح علیہ السلام نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ اس کی صحت کا اقرار کر کے اس کی حقیقت یہ ظاہر کی کہ ایلیاد کی آمد سے یوحنا کی آمد مراد تھی۔ چنانچہ یحییٰ یعنی یوحنا کی نسبت فرمایا کہ:۔
"سب نبیوں اور توریت نے یوحنا کے وقت تک آگے کی خبر دی۔ اور الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے۔"

(متی باب ۱۱۔ آیت ۱۳/۱۴)

پس حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ کسی شخص کی دوبارہ آمد سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ وہ شخص بذاتِ خود آئے گا۔ بلکہ اس سے مراد کسی اور شخص کا ظہور ہوتا ہے جو اپنی روحانیت اور مقام و مرتبہ اور شرف و فضیلت میں اس شخص سے مشابہت رکھتا ہو جس کے دوبارہ آنے کی پیشگوئی کی گئی ہو۔ اگرچہ حضرت مسیح علیہ السّلام کا یہ فیصلہ بالکل صحیح تھا۔ اور ایلیاء یعنی الیاس کے آسمان سے آنے کی پیشگوئی کا صحیح مطلب اور اس کی حقیقت وہی تھی جو حضرت مسیح علیہ السّلام نے ظاہر فرمائی تھی۔ لیکن یہود نے حضرت مسیح کے اس اظہارِ حقیقت کو کہ ایلیاء کے آسمان سے نازل ہونے کی پیشگوئی یوحنا یعنی یحییٰ کی آمد سے پوری ہو گئی ہے قبول نہ کی اور اسی غلط خیال پر اڑے رہے کہ جب تک ایلیاء نبی بذاتِ خود آسمان سے نازل نہ ہوئے سچا مسیح آ ہی نہیں سکتا۔ اور اسی وجہ سے ان کو نہ صرف حضرت مسیح علیہ السّلام کا بلکہ افضل الانبیاء و خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کر دینا پڑا۔ اور یہی غلطی اُمتِ محمدیہ کے ایک گروہ کو لگی جنہوں نے حضرت عیسےٰؑ کے اپنے فیصلہ کے خلاف ان کے متعلق یہ سمجھ لیا کہ وہ خود بذاتہٖ آسمان سے نازل ہوں گے۔ حالانکہ ان کے آنے سے مراد بھی ایسے شخص کا ظہور تھا جو ان سے ہر رنگ میں مشابہت رکھتا ہو جسے پیشگوئی میں اسی طرح مسیح ابن مریم کا نام دیا گیا۔ جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیشگوئیوں میں الیاس کا نام دیا گیا تھا۔ مگر یہود نے حضرت یحییٰ کو الیاس نہ مانا اور اپنی ضد پر

اڑتے رہے۔ آسمان سے کوئی الیاس نہ اترا۔ آخر ان کے دل مایوسی سے بھر گئے۔ اسی طرح وہ ایک نبی مثیل موسیٰ کے منتظر تھے مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہوئے اور یہود نے دیکھا کہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں آئے۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ پیشگوئی مندرجہ استثناء باب ۱۸ کا مطلب یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل سے ظاہر ہوں گے۔ اور آپؐ چونکہ بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ اس لئے آپؐ اس پیشگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ لیکن حقیقت میں آپؐ ہی اس پیشگوئی کے مصداق تھے۔ مگر یہود نے آپؐ کا انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کو پھر کوئی اور نبی مثیل موسیٰ نہ ملا۔

اسی طرح ساٹھ سال ہوئے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔ اور اس نے پیشگوئی کی حقیقت بھی واضح کر دی۔ اس سچے مسیح کے انکار کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ ان کے دل میں مایوسی پیدا ہو اور سرے سے اس کی آمد کا انکار کر دیں۔ مسیح موعود کی آمد کا انکار کرنے والے اس امر کا انکار نہیں کر سکتے کہ اس زمانہ میں جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ہر طرف گمراہی پھیل چکی ہے۔ اور مسلمانوں کی حالت کا نقشہ ڈاکٹر اقبال نے یوں کھینچا ہے ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

(بانگ درا ص۲۲۵)

اور فرماتے ہیں ؎

"ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے خوگر ہیں
امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے"

(بانگ درا صفحہ ۲۲۵-۲۲۶)

پھر ضرب کلیم میں لکھتے ہیں ؎

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

الغرض اور قوموں سے قطع نظر خود مسلمان حقیقت اسلام سے ناآشنا اور ان کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن برائیوں میں ان کے مبتلا ہو جانے کی پیشگوئیاں کی تھیں وہ پوری ہو گئیں۔ دوسری طرف آپ نے ہی یہ پیشگوئی بھی فرمائی تھی کہ اسلام کی اشاعت اور دین اسلام کا تمام مذاہب پر دلائل کی رو سے غلبہ ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو بھیجے گا۔ اس پیشگوئی کا انکار کرنا مستلزم ہے۔ اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ کہا جائے کہ اس نے برائیاں تو پیدا ہونے دیں لیکن اصلاح کے لئے کوئی سامان نہ کیا۔ امراض تو پیدا ہونے دیئے لیکن ان کے

علاج کے لئے کوئی صورت پیدا نہ کی۔ خدا تعالیٰ پر یہ بدظنی درست نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بیماریاں تو پیدا ہونے دے لیکن ان کے علاج کے لئے دوا پیدا نہ فرمائے۔ وہ پیاس تو لگائے مگر اس کو بجھانے کے لئے اور اس کو دور کرنے کے لئے خوشگوار نہر جاری نہ کرے۔

پس خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا تقاضا تھا کہ وہ مسلمانوں کی پکار کو سنتا اور ان کی فریاد کو پہنچتا۔ اور ان کی اصلاح کے لئے اور دینی لحاظ سے ان کا تمام دنیا میں قدم مضبوط کرنے کے لئے اس مسیح کو بھیجتا۔ جس کا وعدہ اس نے قرآن مجید اور اپنے رسول کی زبان پر کیا تھا۔ ساٹھ برس کا عرصہ گذر چکا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کے مطابق مسیح موعودؑ کو بھیج دیا۔ جس نے پچاس سال پہلے یہ اعلان کر دیا تھا کہ:۔

"مسیح موعود کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں۔ وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی ان میں سے عیسٰے بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسٰے بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کا بھی گذر

گیا۔ اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسٰے اب تک آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے۔ اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی۔ کہ عیسٰی کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نا امید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور وہ بڑھے گا۔ اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۵)

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے دوسرے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے اس سوال کا کہ "کیا پہلے مسیح ہی نازل ہونگے؟" یہ جواب دیا ہے :-

"جو کچھ احادیث سے ثابت ہے اور جس پر امت کا اجماع ہے وہ کسی مثیل مسیح کی پیدائش نہیں ہے بلکہ عیسےٰ ابن مریم کا نزول ہے تمام احادیث بلا استثناء اس امر کی تصریح کرتی ہیں کہ آنیوالے وہی ہیں کسی حدیث میں عیسےٰ کسی میں ابن مریم اور کسی میں عیسےٰ ابن مریم کے الفاظ ہیں ظاہر ہے کہ عیسےٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اور اس کے نزول کی خبر لامحالہ اس کی ذات کے نزول کی خبر ہی ہو سکتی ہے اگر کوئی اس خبر کو قبول کرے تو اسے یہ قبول کرنا ہوگا کہ یہی شخص خاص دوبارہ آئیگا جو آج سے دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل میں مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اسے رد کرے تو اسے سرے سے اس "مسیح موعود" کے تخیل ہی کو رد کر دینا ہوگا۔"

(دس نکات کا جواب ص۲)

مولانا مودودی صاحب کے اس جواب سے مندرجہ ذیل بدیہی نتائج نکلتے ہیں۔

اوّل ۔ امت کا اجماع عیسےٰ ابن مریم کے نزول پر ہے اس سے کسی مثیل مسیح کی پیدائش مراد نہیں ہے۔

دوم ۔ عیسےٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اس کے نزول کی خبر سے

مراد اس کی ذات کے نزول کی ہی خبر ہو سکتی ہے جو دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل کی طرف آیا تھا وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا۔

سوم:- اگر کوئی اس خاص شخص کے نزول کی خبر کو رد کر دے تو اسے سرے سے اس "مسیح موعود" کے تخیل کو رد کرنا ہوگا۔

(۱) اجماع کی حقیقت

مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ کوئی مثیل مسیح نہیں بلکہ خاص حضرت عیسےٰ بن مریم آئیں گے جو آج سے دو ہزار برس پہلے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے دو وجہ سے غلط ہے۔

اول:- ہم دوسرے سوال کے جواب کے آغاز میں امام سراج الدین ابن الوردی (وفات ۷۴۹ھ) کی کتاب خریدۃ العجائب کے حوالہ سے بتا چکے ہیں کہ مسیح ابن مریم کے نزول کے متعلق امت میں تین قسم کے خیالات کے لوگ پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ مسیح ابن مریم کے نزول کی خبر سے مراد امت محمدیہ سے ایک مثیل مسیح کا ظہور ہے جو پہلے مسیح کا مشابہ اور اس کا ہم صفات ہوگا۔

امام ابن الوردی کی یہ تصریح مولانا مودودی کے ادعائے اجماع امت کو باطل ثابت کرتی ہے۔

دوم:- دوسرے اس لئے کہ نزول مسیح کی خبر ایک پیشگوئی ہے اور جو باتیں مستقبل کے متعلق ہوں ان کے متعلق اجماع نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ محب اللہ بن عبد الشکور اپنی کتاب مسلم الثبوت میں لکھتے ہیں:-

اما فی المستقبلات کاشراط الساعۃ وامور الاخرۃ فلا (ای الاجماع) عند الحنفیۃ لان الغیب لا مدخل فیہ للاجتہاد۔

(مسلم الثبوت مع شرح صفحہ ۲۲۲)

یعنی جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسے کہ اشراط الساعۃ اور امور آخرت وغیرہ ان میں حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں ہے کیونکہ امور غیبیہ میں اجتہاد اور رائے کو کوئی دخل نہیں۔

اور مسیح کا آنا علامات ساعت میں سے ہے جیسا کہ آیت وانہ لعلم للساعۃ کے ماتحت مفسرین نے بہت سی روایات اس کی تائید میں نقل کی ہیں (نیز دیکھو دس نکات کا جواب محررہ مولانا مودودی صاحب ضمیمہ ۲ روایت ۱۱) اور مولانا صاحب نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ:۔

"درحقیقت وہ مسیح ابن مریم نازل، قیامت کی ایک نشانی ہے"

(دس نکات کا جواب ۱)

پس نزول مسیح کی خبر کے متعلق جو ایک پیشگوئی ہے اور مستقبل سے تعلق رکھتی ہے اجماع کا ادعا درست نہیں۔

(۲) عیسیٰ ابن مریم

دوسرا دعویٰ مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے کہ چونکہ احادیث میں آنے والے کا نام کسی حدیث میں عیسیٰ کسی میں ابن مریم اور کسی میں عیسیٰ ابن مریم آیا ہے اور عیسیٰ ابن مریم ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے۔ اس لئے اس کے نزول کی خبر سے مراد اس شخص کا بعینہٖ آنا مراد ہو سکتا ہے اس کے مثیل کا آنا مراد نہیں ہو سکتا۔

جناب مولانا کا یہ دعویٰ بھی مندرجہ ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

اوّل :۔ اس لئے کہ نزول مسیح کی خبر ایک پیشگوئی ہے اور پیشگوئیوں میں استعارہ اور مجاز بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اور بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ پیشگوئی میں ایک خاص شخص کا نام ہوتا ہے لیکن وقوع کے لحاظ سے وہ معین شخص

مراد نہیں ہوتا بلکہ اس کا مثیل مراد ہوتا ہے۔ اس کی ایک روشن اور واضح مثال وہ ہے
جو ہم اصل جواب کی شق (د) کے ماتحت زیر عنوان "ایلیاہ کی آمد ثانی" تفصیل سے
بیان کر چکے ہیں۔ بائیبل کی کتاب ۲ سلاطین ۲/۱ میں ایلیاہ نبی کے متعلق صاف لکھا ہے
کہ وہ آسمان پر چلے گئے اور ملاکی نبی کی کتاب میں ان کا نام لے کر ان کی آمد ثانی کی خبر
دی گئی تھی اور تمام بنی اسرائیل کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ ایلیا نبی آسمان سے نازل ہوں گے
اور ایلیاہ کے نزول کی خبر یہودیوں میں اتنی شائع اور متعارف تھی کہ جب
حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور یہود نے ان سے کہا کہ اگر
آپ واقعی مسیح ہیں تو ایلیاہ کہاں ہے؟ جس کا ظہور مسیح سے پہلے آسمان سے نازل
ہونا ضروری ہے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ایلیاہ (الیاس) کے نزول کی خبر کا
انکار نہ کیا۔ بلکہ اسے صحیح قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ ایلیاہ کے آنے سے مراد اس کے مثیل کا
ظہور ہے۔ خود ایلیاہ نبی کا جو پہلے ہو چکے ہیں بذاتہ آنا مراد نہیں لیکن یہود اپنی
ضد پر اڑے رہے اور انہوں نے مولانا مودودی والی دلیل پیش کی۔ کہ ایلیاہ
یعنی الیاس ایک شخص خاص کا ذاتی نام ہے اور اس کے نزول کی خبر لامحالہ
اس کی ذات سے نزول کی خبر ہو سکتی ہے اگر کوئی اس خبر کو قبول کرے تو
اسے یہ قبول کرنا ہوگا کہ وہی شخص خاص دوبارہ آئے گا جو آج سے تقریباً ایک
ہزار برس پہلے ظاہر ہوا تھا اور آخرکار آسمان پر چلا گیا تھا اور اگر کوئی شخص اسے
رد کرتا ہے تو اسے سرے سے ایلیاہ کے نزول کی تمثیل کو ہی رد کر دینا ہوگا۔

حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اس دلیل کا یہودیوں کو یہ جواب دیا کہ یہ خبر تو
درست ہے کہ ایلیاہ دوبارہ آئے گا۔ مگر اس کی دوبارہ آمد سے مراد اس کے
مثیل کی ظہور ہے جو یوحنا یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ حضرت یحییٰ
علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

"الیاس جو آنے والا تھا یہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ جس کے کان سننے کے ہوں سُنے" (انجیل متی ۱۱/۱۴)

پس مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ نظریہ کا ہماری طرف سے بھی یہی جواب ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہود کو جو حضرت الیاس کی آمد ثانی کے قائل تھے دیا تھا۔ اور یہی عقیدہ جیسا کہ امام سراج الدین ابن الوردی نے خریدۃ العجائب میں لکھا ہے ہمیشہ امت محمدیہ کے ایک گروہ کا رہا ہے اور اس گروہ کی عظمت اس سے ظاہر ہے کہ امام ابن الوردی نے باوجودیکہ ان کا اپنا عقیدہ اس گروہ کے عقیدہ کے مخالف تھا تاریخی لحاظ سے اس گروہ کا ذکر ضروری سمجھا۔

دوم۔ مشابہت کی وجہ سے ایک چیز کا نام دوسری چیز کو دے دیا جاتا ہے

مولانا مودودی صاحب کی بنائے استدلال یہ ہے کہ چونکہ عیسیٰ اور ابن مریم اور عیسیٰ ابن مریم ایک خاص شخص کا نام لے کر خبر دی گئی ہے اس لئے اس سے اس کا مثیل مراد لینا درست نہیں۔ مولانا مودودی صاحب اس سے ناواقف نہیں ہوں گے کہ مرتبہ مشابہت کی وجہ سے مشبّہ کو مشبّہ بہ کا نام دے دینا کلام کی خوبی شمار کیا جاتا ہے۔ اور عربی زبان میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ فن بلاغت کے امام علامہ عبد القاہر جرجانی نے اپنی کتاب اسرار البلاغہ میں جا بجا اس امر کا ذکر کیا ہے اور اسی طرح فن بلاغت کی دوسری مشہور کتب تلخیص المفتاح اور مختصر المعانی اور مفتاح العلوم للسکاکی کی ذخیرہ میں بھی بالتصریح مذکور ہے۔

کہ جب دو چیزوں میں کامل تشابہ ثابت کرنا مقصود ہو اور ان میں کوئی اختلاف نہ پایا جاتا ہو تو حرف تشبیہ حذف کر دیا جاتا ہے اور مشبّہ کو مشبّہ بہ کا نام دے دیا

جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "هُوَ هُوَ" کہ وہ تو بالکل وہی ہے۔ اسی طرح شیر کی شجاعت کو مدنظر رکھنے والا شخص جو کسی شخص میں کمالِ شجاعت ثابت کرنا چاہے اس خیال سے کہ اس کے نزدیک شیر کی شجاعت میں اور اس شخص کی شجاعت میں کچھ فرق نہیں تو اس کا یہ کہنا درست ہوگا "رَأَیْتُ اَسَدًا" کہ میں نے شیر دیکھا اور مراد بہادر شخص ہوتا ہے اور ایک نہایت اچھا فصیح و بلیغ کلام کرنے والے کے متعلق کہا جاتا ہے "اِنَّمَا یَنْظِمُ دُرًّا" کہ وہ تو موتی پرو رہا ہے۔

اسی طرح امام فخر الدین الرازی نے لکھا ہے۔

"اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِهُهٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِّهٖ وَصِفَاتِهٖ جَائِزٌ حَسَنٌ۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ٦٨٩)

یعنی کسی چیز کا نام دوسری چیز پر جو اس کی اکثر خواص اور صفات میں مشابہت رکھے اطلاق کرنا جائز اور مستحسن ہے۔

اس کی چند مثالیں تو ہم اصل جواب میں لکھ چکے ہیں اور چند یہاں بھی درج کرتے ہیں۔

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام "ذکر"

قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آیت "قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا" میں ذکر قرار دیا گیا ہے۔

علامہ محمد اسمٰعیل حقی اپنی تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ:۔

اس آیت میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ذکر سے جو قرآن مجید ہے شدت ملابست کی وجہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

"فاطلق علیہ اسم المشبہ بہ استعارۃ تصریحیۃ"

پس نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم (مشبہ) کو ذکر (مشبہ بہ) کا نام استعارۃً

تشبیہ کے طور پر دیا گیا۔

(۲) علامہ عبید اللہ بن مسعود الحنفی (وفات ۷۴۷ھ) اپنی کتاب التوضیح میں لکھتے ہیں:

"کَاسْتِعَارَةِ اسْمِ اَبِیْ حَنِیْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی
لِرَجُلٍ عَالِمٍ فَقِیْهٍ مُتَّقٍ" (التوضیح ص۱۸۲)

کہ ایک عالم فقیہ متقی شخص کو استعارہ کے طور پر ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔

(۳) علامہ زمخشری آیت هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ رزق اس رزق کی مانند ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا اور اس کی دلیل وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ہے۔

"وَهٰذَا كَقَوْلِكَ اَبُوْ يُوْسُفَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ تُرِيْدُ اِسْتِحْكَامَ الشَّبَهِ كَاَنَّ ذَاتَهٗ ذَاتُهٗ" (تفسیر کشاف جلد ۱ ص۲۰۳)

اور یہ تیرے اس قول کی مانند ہے کہ ابو یوسف ابو حنیفہ ہیں اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ دونوں کے درمیان مستحکم مشابہت کی وجہ سے گویا ابو یوسف کی ذات ابو حنیفہ کی ذات ہے اور اس لئے ابو یوسف کہنے کی بجائے ابو حنیفہ کہہ کر مراد ابو یوسف لیا جاتا ہے۔

(۴) اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان ازواج مطہرات کو جو آپ کی اس رائے کی کہ حضرت ابو بکر نماز پڑھائیں تسلیم نہیں چاہتی تھیں صواحب یوسف قرار دیا۔ فرمایا۔ "اِنَّكُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

اس کا ترجمہ تجرید بخاری مترجم اردو میں لکھا ہے۔

"چنانچہ حفصہ نے عرض کی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم وہ

بے شک یقیناً تم لوگ یوسف کی ہمنشین عورتیں ہو۔" (تجرید جلد ۱ صفحہ ۹۶)

(۵) اس کی مثالیں ہر زبان میں پائی جاتی ہیں چنانچہ مسیح علیہ السلام نے یہود کی عداوت کے پیش نظر ان کا نام سانپ اور سانپوں کے بچے رکھا (متی ۲۳/۲۳) اور دوسری قوموں کے متعلق کہا۔

"پاک چیزیں کتوں کو نہ دو اور موتی سوروں کے آگے نہ ڈالو۔"

(متی ۷/۶)

(۶) قرآن مجید میں حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق عورتوں کا یہ قول مذکور ہے "اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ" کہ یوسف تو بس فرشتہ ہی ہے۔

جب ہر زبان میں یہ استعمال پایا جاتا ہے کہ دو ایسی چیزوں میں سے جو آپس میں کمال مشابہت رکھتی ہوں ایک کا نام دوسری کو دے دیتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ نے یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا نام حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے شدت مشابہت کی وجہ سے ابن مریم یا مسیح ابن مریم یا عیسیٰ ابن مریم رکھ دیا تو اعتراض کی بات کیا ہے؟ اگر ایک عالم فقیہ متقی کو ابو حنیفہ کہہ کر پکار سکتے ہیں اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ کو ابو حنیفہ کا نام دیا گیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر رکھا گیا اور آپ کی ازواج کو صواحب یوسف فرمایا گیا ہے اور ایک سخی کو حاتم کا نام دیا جا سکتا ہے اور حضرت یحییٰ کا نام الیاس ہو سکتا ہے تو آنے والے مسیح کو ابن مریم یا عیسےٰ بن مریم یا مسیح ابن مریم کیوں نہیں کہا جا سکتا۔

پس احادیث میں آنے والے مسیح کا نام ابن مریم وغیرہ یہ ظاہر کرنے کے لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں اور مسیح ناصری میں اس قدر شدید مشابہت ہوگی کہ گویا اس کی ذات مسیح ناصری ہی کی ذات ہے اور یہ ایک ایسا شائع اور متعارف انداز بیان ہے جس پر حقیقتاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اور جس کی صحت سے

انکار کی متعلق گنجائش نہیں۔

اسی مذکورہ مشابہت کے متعلق حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدی اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔"

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ حصہ چہارم ص۴۹۹)

(۳) مومنوں کی مثال حضرت مریم سے اور کامل مومن کا ابن مریم ہونا

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورۃ تحریم میں کافروں کی مثال حضرت نوحؑ و حضرت لوطؑ کی بیویاں اور مومنوں کی مثال فرعون کی بیوی حضرت آسیہ سے دے کر فرمایا ہے:۔

"وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ۔" (تحریم ع ۲)

اور مومنوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے مریم سے بیان فرمائی ہے جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی اور وہ اپنے رب کے کلام

اور کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہوئی اور وہ ہمارے فرمانبردار بندوں میں سے تھی
اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال پہلے فرعون کی بی بی سے دی ہے۔
اور پھر دوسری مثال مریم سے دی ہے علامہ زمخشری اپنی مشہور تفسیر کشاف میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"وَقَدْ قَرَنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ مَرْيَمَ فِي التَّمْثِيلِ لِلْمُؤْمِنِينَ"

یعنی یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تمثیل فرعون کی بی بی اور عمران کی بیٹی مریم سے دی ہے۔

اور علامہ بدر الدین العینی (متوفی ۸۵۵ھ) صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں

"وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي عُطِفَتْ عَلَى امْرَأَةِ فِرْعَوْنَ أَيْ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ"
(عینی شرح بخاری جلد، ص۱۲)

کہ مریم بنت عمران معطوف ہے امراۃ فرعون پر اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مثال مریم بنت عمران سے دی ہے اور جو اسے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی عزت و کرامت بخشی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفخِ روح کو حضرت مریم پر سب سے بڑا انعام بتایا ہے۔

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔
ایک وہ مومن جو فرعون کی بیوی کے مشابہ ہیں اور دوسرے وہ جو حضرت مریمؑ سے مشابہت رکھتے ہیں۔

اس آیت کی رو سے جب ایک مومن فرعون کی بیوی کے سے ایمان کی حالت سے اوپر ترقی کرتا ہے اور مریمؑ کے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس وقت وہ

حضرت مریمؑ کا مشابہ اور مماثل بن جاتا ہے۔ پھر جس طرح حضرت مریمؑ کے اپنے آپ کو ہر قسم کے گناہوں اور آلائشوں سے منزہ و محفوظ رکھنے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان میں نفخِ روح کیا۔ جو ابن مریم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اسی طرح جب ایک مومن مریمیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے اور حضرت مریم صدیقہ کے شمائل و خصائل اور عفت و احصان کو ظاہر کر کے روحانیت میں ترقی کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں بھی نفخِ روح ہوتا ہے۔ اس نفخِ روح سے وہ مریمیت کے مقام سے گذر کر ابنِ مریم کے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ابن مریم سے مشابہت پیدا کر لیتا ہے۔ پھر اس مشابہت تامہ کی وجہ سے جو اس کے اور ابن مریم کے درمیان پائی جاتی ہے ابن مریم کا نام پاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب براہینِ احمدیہ میں پہلے لکھا کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام مریم رکھا ہے پھر اس کے بعد جب آپ نے روحانیت میں اور ترقی کی۔ اور مریمیت کے مقام سے آگے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ابنِ مریم اور عیسٰے کے نام سے مخاطب کیا۔ پس اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ان مثیلوں میں سے جن کی مثال سورۂ تحریم کی اس آیت میں حضرت مریم سے دی گئی ہے کامل و مکمل وجود کا نام ابن مریم رکھا گیا ہے

اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچہ کو ولادت کے وقت شیطان مس کرتا ہے مگر مریم اور اس کے بیٹے عیسٰے کو مس نہیں کیا۔

اس حدیث کے متعلق علامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مریم اور ابنِ مریم سے ہر وہ شخص مراد ہے جو عیسٰے اور مریم کی صفات سے متصف ہوئے (کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۱۲)

اسی طرح امام عبد الرؤف المناوی (متوفی ۱۰۳۱ھ) اپنی کتاب التیسیر شرح

جامع الصغیر میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

"والمراد هما ومن في معناهما" (التیسیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان الا مریم ابنہا عیسیٰ میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ سے مراد سب وہ لوگ بھی ہیں جو ان کے مثیل ہوں گویا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ان لوگوں کو جو حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے مقام پر فائز ہیں مریم اور ابن مریم کے نام سے تعبیر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مریم اور ابن مریم اور مسیح اور عیسیٰ کا نام اپنے اندر وسیع مناسبت رکھتا ہے اور بزرگان امت محمدیہ نے بھی ان ناموں کو اپنی نسبت استعمال کیا ہے۔ مثلاً

(۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی براہین احمدیہ پر ریویو کرتے ہوئے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے الہام "یَا مَرْیَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ" کے متعلق جس میں آپ کو مریم کے نام سے خطاب کیا گیا تھا لکھتے ہیں:-

"اس الہام میں لفظ مریم سے مؤلف مراد ہے جس کو ایک روحانی مناسبت کے سبب مریم سے تشبیہ دی گئی ہے وہ مناسبت یہ ہے کہ جیسے حضرت مریم علیہا السلام بلا شوہر حاملہ ہوئیں چنانچہ ظاہر قرآن کی دلالت ہے اور انجیل میں اس پر صاف تصریح ہے ایسے ہی مؤلف براہین بلا تربیت و صحبت کسی پیر فقیر ولی مرشد کے ربوبیت غیبی سے تربیت پا کر مورد الہامات غیبیہ و علوم لدنیہ ہوئے ہیں اس تشبیہ کی ایک ادنیٰ مثال نظامی کا یہ شعر ہے ؎

ضمیرم نہ زن بلکہ آتش زن است ؛ کہ مریم صفت بکر آبستن است

اس صورت میں مریم کا خطاب بصیغہ مذکر محل اعتراض نہیں۔
اور اس کے لئے زوج کا اثبات بھی مستبعد نہیں اور یہاں تو
زوج سے مؤلف کے اتباع مراد ہیں۔"
(ریویو براہین احمدیہ صفحہ ۲۸۹ مندرجہ اشاعۃ السنۃ نمبر ۹ جلد ۷)

(۲) مولانا رومؒ اپنے آپ کو عیسٰی قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"عیسیم لیکن ہر آں کو یافت جاں — از دم من او بماند جاوداں
شد عیسٰی زندہ لیکن باز مرد — شاد آں کو جاں بدیں عیسٰی سپرد"
(مثنوی دفتر چہارم صفحہ ۹۵ مطبوعہ کانپور)

(۳) حضرت شیخ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو عیسٰی ثانی قرار دیتے ہیں۔

"دمبدم روح القدس اندر معینے میدمد — من نمیگویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم"
(دیوان حضرت شیخ معین الدین چشتیؒ)

اور فن بلاغت کی کتب میں لکھا ہے کہ جب ایک علَم اپنے اندر وصفی نوع رکھتا ہو تو اُسے بطور استعارہ دوسرے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے سخی کو حاتم کہا جاتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تلخیص المفتاح صفحہ ۱۰۰)

اور مسیح اور عیسٰی اور مریم اور ابن مریم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ایسے ہی نام ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے مندرجہ ذیل شعروں میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

"کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے — جس کی مماثلت کو خدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب — خوبوں کو بھی تو تم نے مسیحا بنا دیا"

یعنی طبیب حاذق اور خوبصورت اور خوش شکل کو بھی تم مسیح کا نام دے دیتے ہو تو پھر اس شخص کو مسیح ماننے میں کیوں شک کرتے ہو جس کی حضرت عیسٰی علیہ السلام

سے مماثلت خود اللہ تعالیٰ نے بتادی ہے۔

الغرض سورہ تحریم کی آخری آیات سے ثابت ہے کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہ پاکیزگی کے انتہائی مقام تک پہنچ کر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی طرح مرد مومن روحانی لحاظ سے پہلے مریمی حالت کو پہنچتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس میں نفخ روح کرتا ہے اور اس سے بکثرت ہمکلام ہوتا ہے گویا وہ روحانی حمل کی حالت سے روحانی لحاظ سے ابن مریم کی ولادت کا باعث ہوتا ہے اور حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب کشتی نوح اور براہین احمدیہ حصہ پنجم وغیرہ میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ جس پر مولانا مودودی صاحب نے بوجہ ناواقفیت تمسخرانہ لہجہ میں اعتراض کیا ہے۔ اگر قارئین کرام حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کی اصل عبارتیں مع سیاق وسباق پڑھیں گے تو ان پر حقیقت کھل جائے گی۔

چہارم :۔ مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ اس لئے بھی باطل ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ آنیوالا ابن مریم امت محمدیہ کا ایک فرد ہوگا۔ نہ کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو حضرت مریم کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ مثلاً

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنیوالے مسیح کے متعلق فرمایا۔

وامامکم منکم یعنی ابن مریم تم میں نازل ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔ اسی طرح دوسری روایت وامکم منکم کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ تمہاری امامت کرے گا۔ اس حال میں کہ وہ تم میں سے یعنی امت محمدیہ میں سے ہوگا۔

متقدمین نے بھی اس کو صحیح یہی سمجھا کیا ہے چنانچہ امام ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :۔

"قَالَ الطِّيْبِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَالضَّمِيْرُ فِيْ أَمَّكُمْ لِعِيْسٰى وَمِنْكُمْ حَالٌ أَيْ يَؤُمُّكُمْ عِيْسٰى حَالَ كَوْنِهٖ مِنْ دِيْنِكُمْ"

(مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۲۲)

امام طیبی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اَمَّکُمْ میں ضمیر عیسٰے کے لئے ہے اور منکم حال ہے یعنی عیسٰے تمہاری امامت کریں گے اس حال میں کہ تمہارے دین پر ہوں گے۔

ان دونوں حدیثوں میں آنے والے ابن مریم کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا امام ہوگا۔ اس حال میں کہ وہ انہیں میں سے ہوگا۔ یعنی امتِ محمدیہ میں سے۔ طیبی رحمۃ اللہ کا حذف نکالنا درست نہیں بلکہ امامکم منکم اور اَمَّکُمْ منکم سے مسلمانوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آنے والے مسیح کو ابن مریم تو کہا گیا ہے لیکن اے مسلمانو! اس سے حضرت عیسٰے مراد نہ لے لینا بلکہ وہ آنے والا امتِ محمدیہ کا ہی ایک فرد ہوگا۔ جس کو ابن مریم کا نام دیا جائے گا۔

(۱۲) جیسا کہ ہم اصل سوال کے جواب میں لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیح کے دو حلیے بیان فرمائے ہیں۔ وہ مسیح جو پہلے گزر چکے ہیں جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسراء کی رات کو دیکھا ان کا حلیہ اور بتایا ہے اور آنے والے مسیح کا جسے دجال کے آگے پیچھے خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا حلیہ اور بتایا ہے۔ دو حلیئے ایک شخص کے نہیں ہو سکتے۔ البتہ ایک نام کے کئی اشخاص ہو سکتے ہیں پس گذشتہ اور آنے والے مسیح کے حلیہ میں اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک شخص نہیں بلکہ دو شخص ہیں اور دونوں میں باہم متشابہ و متماثل ہونے کی وجہ سے نام کا اشتراک ہے۔

پنجم:۔ قرآن مجید اور احادیث سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت عیسٰے

علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور جو وفات پا جائے وہ دوبارہ اس دنیا میں نہیں آسکتا۔ اس لئے موعود مسیح حضرت عیسٰے علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔

ششم:۔ پہلے سوال کے جواب میں بالتفصیل لکھا جا چکا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ امت محمدیہ کا ایک گروہ یہود کے رنگ میں رنگین ہوگا اور ایک گروہ عیسائیوں کے رنگ میں۔ اور یہ دونوں گروہ امت محمدیہ میں سے ہونگے۔ اور احادیث میں بھی مسلمانوں کے ایک گروہ کے یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے کی پیشگوئی پائی جاتی ہے پس ایک طرف قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے کہ امت محمدیہ کا ایک گروہ یہود و نصاریٰ کے رنگ میں رنگین ہوگا۔ اور دوسری طرف یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے ابن مریم آئے گا اس سے لازمی طور پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ جس طرح یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلنے والے امت محمدیہ سے ظاہر ہوں گے اسی طرح ان کی اصلاح کے لئے آنے والا ابن مریم بھی امت محمدیہ ہی سے ظاہر ہوگا۔ فافہم۔

تلبیس (ترجمہ):۔ مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی اس خاص شخص کے نزول کی خبر کو رد کر دے "تو اسے سرے سے اس "مسیح موعود" کی شخصیت کو ہی رد کرنا ہوگا"

عجیب بات ہے کہ مولانا مودودی صاحب ایک طرف تو نزول مسیح کی خبر کو قطعی اور یقینی بتاتے اور ایسی ناقابل تردید شہادتوں سے ثابت شدہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اسے رد کیا جائے تو پھر

"دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا"

اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حضرت عیسٰے کا بذاتہ دوبارہ آنا

زمانے تو اُسے مسیح موعودؑ کے تخیل کو ہی رد کر دینا ہوگا یعنی یہ تسلیم کرنا ہوگا۔ کہ کوئی مسیح موعود نہیں آئے گا۔

اور ظاہر ہے کہ مولانا کے اپنے عقیدہ کے مطابق نزول مسیح کی خبر کو رد کرنا تو ایسا ہے جیسا دنیا کے تمام تاریخی واقعات کو رد کر دینا اس لئے نزول مسیح کی خبر کو تو کسی صورت میں رد نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کے بذاتہ نزول کو ماننے کے یہ معنے ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ جب یہود نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ انہیں چوتھے یا دوسرے آسمان پر (جو بھی جناب مولانا متعین کریں) اٹھا لیا اور وہ قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر بجسدہ العنصری زندہ موجود ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ کب دجال ظاہر ہو اور وہ دو زرد چادریں پہنے دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے آسمان سے اس کے قتل کے لئے نازل ہوں۔ اور ایک چھوٹے سے حربہ سے اس کو قتل کریں۔ اور آپ کا وہ عظیم الشان فرض پورا ہو جس کے لیے آپ قریباً دو ہزار برس سے آسمان پر زندہ رکھے گئے ہیں اور پھر آپ وفات پائیں۔ لیکن اس عقیدہ کو تو آج مصر کی ازہر یونیورسٹی کے چوٹی کے علماء بھی رد کر چکے ہیں۔ اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسے کسی صورت میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہے علاوہ ازیں، قرآن مجید اور احادیث سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بجسدہ العنصری ہرگز آسمان پر نہیں اٹھائے گئے بلکہ یقیناً طبعی وفات پا کر مثل اور تمام انبیاء علیہم السلام کے زیر زمین مدفون ہو چکے ہیں۔ اور ہم پورے دل و ثوق سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور قریباً دو ہزار برس سے وہاں زندہ موجود ہونے کے اثبات کے لئے مولانا مودودی

صاحب بھی قلم کو جنبش نہیں دے سکیں گے۔
پس ایسے شخص کے لئے جو قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی وفات کا قائل ہے کیا یہ مناسب ہوگا کہ وہ ابن مریم کے نزول سے ایسے شخص کا ظہور مراد لے جو ان کا ہم صفات ہو اور کئی امور میں ان کے ساتھ مشابہت رکھے اور مسیح موعود کے ظہور کی خبر کو صحیح قرار دے۔ یا یہ مناسب ہوگا کہ وہ ان تمام یقینی اور قطعی شہادتوں کو ردّ کر دے جن سے نزول مسیح کی خبر ایسے قطعی اور بدیہی طور پر ثابت ہے کہ اگر اسے ردّ کیا جائے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ہر عقلمند انسان یہی کہے گا کہ اس صورت میں نزول ابن مریم سے مراد مثیل کا ظہور لینا ہی مناسب ہے۔ جو محاوراتِ زبان کے عین مطابق ہے اور قرآن وحدیث جس کے مؤیّد ہیں۔
لطیفہ۔ مولانا مودودی صاحب ابن مریم سے مثیل مراد لینا کسی طرح جائز خیال نہیں کرتے۔ حالانکہ نزول ابن مریم والی حدیث کے بقیہ الفاظ بھی اپنے حقیقی معنوں پر محمول نہیں۔ اس حدیث میں "انتم" "فیکم" "امامکم" "منکم" میں "تم" اور "کم" کے حقیقی مخاطب تو صحابہ ہی تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود تھے مگر کیا جناب مولانا ان صحابہ کو مراد لے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ آپ مجبور ہیں کہ حضرات صحابہ سے ان کے امثال ہی مراد لیں۔ بجز اس کے آپ کے لئے قدرت نے کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی کیونکہ حدیث نزول ابن مریم میں صحابہ کرام سے وعدہ کیا گیا تھا کہ ابن مریم تم میں نازل ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام میں تو جناب مولانا کے وہ ابن مریم اور مسیح ابن مریم اور عیسٰے ابن مریم تشریف لائے نہیں اور اب اگر بفرضِ محال وہ کبھی تشریف لے بھی آئیں۔ تو وہ تشریف لانا صحابہ کرام

ہیں تو ہو نہیں سکتا کہ وہ بلا استثناء احد رسب کے سب فوت ہو چکے ہیں۔ اس
صورت میں ان کا تشریف لانا صحابہؓ کے امثال میں ہی ماننا پڑے گا جو آخری
زمانہ میں ہونے والے تھے اسی طرح ابن مریم سے مراد بھی مثیل ابن مریم ہے
اسی طرح ان احادیث میں کسر صلیب اور قتل خنزیر وغیرہ کے الفاظ آئے
ہیں اور محققین علماء نے انہیں بھی ان کے حقیقی معنوں پر محمول نہیں کیا۔
بلکہ ان کی تاویل کی ہے۔

پس مولانا مودودی صاحب کا یہ نظریہ کہ اگر کسی وجہ سے حضرت عیسٰے
کا دوبارہ نزول نہیں مانا جا سکتا۔ تو اس کی خبر کو ہی رد کر دینا چاہیئے جس کو اگر
رد کیا جائے تو کوئی تاریخی واقعہ قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ حد درجہ غیر معقول
ہے۔ لیکن اس خبر کو جو یقینی شہادتوں سے ثابت ہے صحیح تسلیم کرتے ہوئے
ابن مریم سے مراد امت محمدیہ میں سے ایک مثیل کا ظہور مراد لیا جائے۔ جو
محاورات زبان کے عین مطابق ہے اور جیسا کہ امت محمدیہ کا ایک گروہ قدیم سے
ایسے مانتا چلا آیا ہے تو ایسا کرنا اپنے اندر معقولیت رکھتا ہے اور یہی وجہ
ہے کہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کو بھی یہ اقرار کرنا پڑا۔

"مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام ایک فانی
انسان کی مانند جام مرگ نوش فرما چکے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کے
دوبارہ ظہور کا مقصد یہ ہے کہ روحانی اعتبار سے ان کا ایک
مثیل پیدا ہوگا کسی حد تک معقولیت کا رنگ لئے ہوئے ہے"

(آزاد ۲۱ اپریل ۱۹۵۰ء)

خلط مبحث

تحقیقاتی عدالت کے سوالات اصولی رنگ کے تھے اور اس میں حضرت

بانی جماعت احمدیہ کے دعوٰی کے متعلق کوئی سوال نہ تھا کہ آیا آپ اپنے دعوٰی میں صادق تھے یا نہیں لیکن مولانا مودودی صاحب نے اصول لحاظ سے اپنے جواب کو غیر مکتفی سمجھتے ہوئے حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دعوٰی کو نہ ہی ثابت کرنے اور آپ کے دعوٰی نبوت اور یہ کہ آپ ابن مریم کیسے بنے وغیرہ مسائل کے متعلق الیاس برنی کی کتاب سے بہت سے حوالجات نقل کر دیئے ہیں لیکن چونکہ وہ تمام ابحاث تحقیقاتی عدالت کے سوالات سے تعلق نہیں رکھتیں اس لئے ہم ان ابحاث سے اجتناب مناسب خیال کرتے ہیں تاکہ خلط مبحث نہ ہو۔ ان تمام حوالجات کے جوابات ہم نے احرار کے تحریری بیان کے جواب میں عدالت میں داخل کر دیئے تھے۔ لیکن تاہم ان چند باتوں کا جو مولانا مودودی صاحب نے اپنی علمیت جتانے کے لئے فخریہ رنگ میں پیش کی ہیں مختصر طور پر ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ بروز

مولانا مودودی صاحب نے اپنی لاعلمی کی وجہ سے "بروز" کو تناسخ خیال کرتے ہوئے اسے سراسر ایک ہندوانہ تخیل قرار دیا ہے مولانا شاہ مبارک احمد شلی قادری حیدرآبادی اپنی کتاب خزائن اسرار الکلم مقدمہ شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔

"اکتالیسواں مرتبہ مسئلہ بروز اور تمثل کے بیان میں ہے۔ بعض نایافتگی سے اس کو بھی تناسخ کہتے ہیں۔ پھر بروز کی حقیقت بیان کی ہے۔" (خزائن اسرار الکلم مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۲۲)

اسی طرح شیخ محمد اکرم صاحب صابری نے اپنی تصنیف اقتباس الانوار صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ مہدی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بروز ہونگے

آپ فرماتے ہیں :۔

ہم او باشد کہ در آخر بصورت خاتم ظاہر گردد یعنی در خاتم الولایت کہ مہدی است نیز روحانیت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بروز ظہور خواہد کرد و تصرفہا خواہد نمود و ایں را بروزات کمل گویند مشائخ و بعضے بر آنند کہ روح عیسے در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است مطابق ایں حدیث " لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم "

اور بروز کے متعلق لکھتے ہیں :۔

" روحانیت کمل گاہے بر ارباب ریاضت چناں تصرف مے فرمائند کہ فاعل افعال ایشاں مے گردد و ایں مرتبہ را صوفیہ بروز میگویند "

اسی طرح مرحوم و مغفور حضرت پیر خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف والے فرماتے ہیں :۔

" البروز ان یفیض روح من ارواح الکمل علی کامل کما یفیض علیہ التجلیات و ھو یصیر مظہرہ و یقول انا ھو "

(اشارات فریدی حصہ دوم صفحہ ۱۱۰)

یعنی بروز یہ ہے کہ کاملین کی ارواح میں سے کوئی روح کسی کامل انسان پر افاضہ کرے جیسا کہ اس پر تجلیات کا فیض ہوتا ہے اور وہ اس کا مظہر بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں وہی ہوں ۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم امام مہدی کا میں بروز فرمائیں گے ۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔

"اکثر فرمایا کرتے تھے آنحضرت رضی اللہ عنہ کہ ھٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ"

(یعنی میرا وجود میرے دادا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے عبدالقادر کا وجود نہیں۔ ترجمہ از ناقل)

"پس یہ کلام آنحضرت کی دلالت کرتی ہے اوپر فنائے اتم اور محو کامل آنجناب کے بیچ ذات بابرکات آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ازراہ فرط عشق و محبت ذات در ذات ہو کر فنا فی الرسول ہو گئے تھے۔ ذاتاً و صفاتاً۔ قولاً و فعلاً۔ حالاً و کمالاً۔

(گلدستہ کرامات مؤلفہ مفتی غلام سرور صاحب مطبوعہ افتخار دہلی ص)

پس بروز سے مراد نہ تناسخ ہے اور نہ ہی یہ ہندوانہ تخیل ہے۔ بلکہ صوفیائے کرام اور امتِ محمدیہ کے بزرگ ربانی علماء نے اس اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ نے تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۱۲۹ سے صفحہ ۱۳۳ تک رجعت بروزی کی مثالیں اور اس کی فلاسفی ذکر کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رجعت بروزی کی ایک مثال الیاس کا بصورت یحیٰی آنا ہے۔ اسی طرح شیعہ بھائی مانتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔ اسی طرح ہندو بھی کہتے ہیں کہ آخری زمانہ میں کلکی اوتار آئیں گے جو کرشن کا اوتار ہوں گے۔ اسی طرح مسلمان اور عیسائی حضرت عیسٰیؑ کا دوبارہ آنا مانتے ہیں۔ یہ مثالیں ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

"ان سب کا آخری زمانہ میں آنا بروزی طور پر مقدر تھا نہ کہ

ظاہری طور پر جیسا کہ میں دکھاؤں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں نے خیال کر لیا۔ اور وہ آنے والا ایک ہی شخص تھا اور وہ بھی ابولیا اسے مختلف مذاہب کی کتب میں استعارہ کے طور پر یہ نام دیئے گئے ہیں۔"

ان تصریحات کے بعد کوئی انسان بروز کو تناسخ نہیں کہہ سکتا۔ اِلَّا مَنْ سَفِہَ نَفْسَہٗ۔

امامِ جماعت مسیح ہوگا یا کوئی اور

مولانا مودودی صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مفسرین و محدثین نے بالاتفاق اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ امام جماعت مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

ہم سوال ۵ کے جواب میں زیر عنوان "امامکم منکم" میں امام سے کون مراد ہے؟ بتا چکے ہیں کہ امام سے مراد خود مسیح ہیں۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ آنیوالا مسیح مسلمانوں کی نماز میں امام ہوگا۔ اور علامہ تفتازانیؒ نے صحیح عقیدہ یہی قرار دیا ہے۔ کہ مہدی مسیح کی نماز میں اقتدا کریں گے۔ اور ابن ابی ذئب اور امام طیبیؒ نے بھی امامکم منکم کی یہی تشریح کی ہے کہ آنے والا ابن مریم مسلمانوں کا امام ہوگا اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے حق میں اماماً مہدیاً فرمایا ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے اپنی تاشب ۱۲ میں جو روایات ۱۱-۱۲-۱۳-۱۴-۱۵ کا حوالہ دیا ہے وہ درحقیقت ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں کہ مسیح کی نماز کا وقت

ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم نازل ہونگے اور جیسا کہ روایت مذکا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت امام فجر کی نماز پڑھا رہا ہوگا ۔ امام پیچھے ہٹنا چاہے گا ۔ تو عیسیٰ فرمائیں گے تَقَدَّمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ اُقِيْمَتْ کہ آپ اپنی نماز پڑھائیں کیونکہ یہ آپ کے لیے کھڑی کی گئی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ حضرت عیسیٰ یہ پسند نہیں کریں گے ۔ کہ وہ امام جس کے لیے نماز کھڑی کی جا چکی اس کی بجائے خود امام ہوں ۔ اور نئے سرے سے نماز شروع کرائیں ۔

اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک غیر نبی کی اقتداء میں نبی کی نماز ہو جاتی ہے ۔ اس سے یہ ہرگز نہیں نکلتا کہ مسیح موعود مسلمانوں کے نمازوں میں امام نہیں ہونگے ۔ اور خود علماء نے مسیح کے متعلق لکھا ہے کہ وہ اقتداء مذہب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونگے ۔ (حجج الکرامہ ص۴۳۱) اور صحیح مسلم کی حدیث اور جو حدیث حاکم نے مستدرک میں روایت کی ہے ان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان درج ہے کہ جب مسلمان نماز کی تیاری کر رہے ہوں گے تو مسیح نازل ہوں گے اور وہ ان کے امام ہوں گے ۔

قائدِ امت کون ہوگا؟

اسی طرح مولانا مودودی صاحب نازل ہونے والے مسیح کے متعلق لکھتے ہیں :-

"اور اس کے بعد [illegible] اسلام کی [illegible] امیر یا سردار [illegible] ہوگا بس کی قیادت [illegible] ہوگا ۔ اور شرعی نظم جہاں [illegible] کہ مسیح کی یہ حیثیت [illegible] اس کے سپرد کی گئی [illegible] وہ [illegible] نمازوں کی امامت کرے ۔ [illegible] ان کے

امام کی اقتدا کرے گا۔" (دس نکات کا جواب ص۳)

یہ بھی مولانا کی لاعلمی پر دال ہے کیونکہ احادیث اور بزرگان سلف کے اقوال سے ثابت ہے کہ مسیح موعود نبی ہوگا۔ (دیکھیں جواب سوال ۳)
اور نبی کا غیر نبی قائد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کو مسیح موعود کی قیادت تسلیم کرنا ہوگی۔ مولانا صاحب نے اس جگہ جس ذہنیت کا اظہار کیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اگر ان کا مزعومہ مسیح ان کی زندگی میں آسمان سے نازل ہو جائے۔ تو وہ ان سے اپنی قیادت منوائیں گے۔ انہیں اپنا قائد تسلیم نہیں کریں گے۔ اور قیادت کے مسئلہ پر ہی مولانا مودودی اور ان کے مزعومہ مسیح میں ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ تکفیر کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔
اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جب مسیح موعود آئے گا۔ تو "علماء ظواہر مجتہدات او را علی نبینا و علیہ السلام از کمال دقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند"
(مکتوبات امام ربانی جلد ۲ ص۱۰۷ مکتوب ۵۵)

کہ مولانا مودودی اور ان جیسے دیگر علماء ظواہر مسیح موعود کے مسائل اجتہادیہ کا انکار کریں گے اور قرآن مجید اور سنت نبوی کے مخالف قرار دیں گے۔

اور یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہوگا۔ اگر وہ آ گئے۔ تو "سارے مقلد بھائی ان کے جانی دشمن بن جائیں گے اور ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے۔ کہیں گے یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے" (اقتراب الساعۃ ص۲۲۴)
پھر لکھا ہے:۔

ان کے دشمن علماء اہل اجتہاد ہو نگے۔ اس لئے کہ ان کو دیکھیں گے کہ خلاف مذہب ائمہ حکم کرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔ ان کا دشمن کھلم کھلا کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہی فقہ والے بالخصوص کیونکہ ان کی ریاست باقی نہ رہے گی۔ عام لوگوں سے کچھ امتیاز نہ ہوگا۔

(اقتراب الساعۃ ص۹۵)

مولانا مودودی صاحب نے ابھی سے اپنے مزعومہ نازل ہونے والے مسیح کی مخالفت کے لئے بیڑا باندھ لیا ہے کہ جب وہ نازل ہوں گے۔ تو ہم علمائے دین متین ان سے اپنی قیادت منوائیں گے۔ اور ان سے کہیں گے کہ آپ کو تو قرآن مجید و احادیث کا علم نہیں ہے اس لئے آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ آپ ہمارے قائد ہوں بلکہ آپ کو ہماری قیادت تسلیم کرنی ہوگی۔ اور دینی امور میں آپ کو ہمیں اپنا امام تسلیم کرنا چاہیئے۔

مسیح کا کام

مولانا مودودی صاحب کے نزدیک مسیح کا کام صرف فتنہ دجال کو ختم کرنا ہے حالانکہ حدیث نزول ابن مریم میں صاف طور پر مسلمانوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ تم غور کرو تم اس وقت کس حالت میں ہوگے جب تم میں ابن مریم آئیگا وہ حکم عدل ہوگا۔ یعنی اس وقت امت اپنے اندرونی اختلافات کی وجہ سے پارہ پارہ ہو چکی ہوگی۔ اور جیسا کہ دوسری احادیث میں مذکور ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح بہتر فرقوں میں بٹ چکی ہوگی۔ یعنی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوں گے اور ایک دوسرے کو کافر و مرتد خیال کریں گے۔ تب مسیح ظاہر ہوگا اور وہ تمہارے اندرونی اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ اور جو فیصلہ وہ کرے گا

وہی مسیح ہوگا جس کا ماننا مسلمانوں کے تمام فرقوں کے لئے ضروری ہوگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کے حق میں فرمایا ہے کہ وہ اماما مہدیا ہوگا یعنی اس وقت وہی خدا تعالیٰ کی طرف سے اصلاح اور ہدایت یافتہ امام ہوگا۔

پھر احادیث میں آنے والے مسیح کا کام کسر صلیب بتایا گیا ہے۔ جس کے معنے علمائے کرام نے یہی کئے ہیں کہ عیسائی مذہب کو ازروئے دلائل و براہین شکست دے گا اور اسلام کا غلبہ ظاہر کرے گا۔ چنانچہ مولانا قطب الدین صاحب شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں۔

"پس توڑیں گے صلیب کو یعنی باطل کریں گے دین نصرانیت کو۔"
(مظاہر الحق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص ۳۸۱)

اور علامہ بدر الدین العینی شرح بخاری میں بحوالہ امام طیبی کسر صلیب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ابطال النصرانية والحكم بشرع الاسلام"

کہ وہ عیسائیت کو باطل کریں گے اور اسلامی شریعت کے ساتھ حکم کریں گے۔

پھر علامہ عینی لکھتے ہیں کہ:۔

"اور روایات کے ضمن سے یہ بات نکلی ہے کہ کسر صلیب سے مراد نصرانی کے جھوٹ کا اظہار ہے کیونکہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ مسیح صلیب پر مارے گئے تھے۔"

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کو جو ان کا اپنا دین ہوگا دین الحق ثابت کریں گے۔"

عقیدہ کی بیخ کنی کرنا اور یاجوج ماجوج کا روحانی ہتھیاروں سے مقابلہ کرنا وغیرہ سب مسیح موعود کے کام ہیں۔

دجّال کو ایک مسلمان کس طرح مسیح مان سکتا ہے؟

پھر دجال جو مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ایک شخص ہوگا جو ایک آنکھ سے کانا ہوگا۔ اور اس کی پیشانی پر ک ف ر لکھا ہوگا۔ اور ایک گدھے پر سوار ہوگا جس کے کانوں کے درمیان کا فاصلہ ستر باع ہوگا۔ اس کے سر کی موٹائی کا اور اس کے قد کی لمبائی اور چوڑائی کا قارئین کرام خود اندازہ لگا لیں۔ اور ایسے عجیب الخلقت گدھے پر ایک ہیبت ناک بیا دو کی مانند کانا دجال سوار ہوگا۔ اور وہ جب مسیح کو دیکھے گا تو ذاب کما یذوب الملح وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ لیکن مسیح اس کے پورا پگھلنے سے پہلے چھوٹے سے حربہ سے اس پر ایک وار ضرور کریں گے تا اس کا قتل آپ کی طرف منسوب ہو سکے ایسی عجیب و غریب شخصیت کے متعلق مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آخر زمانے میں

"دجال (فریبی اور جعلساز آدمی) اپنے آپ کو مسیح کی حیثیت سے پیش کرے گا۔ اور یہودی اس کے پیچھے لگ جائیں گے ۔ ۔ ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ خبر اس لئے دی تھی کہ مسلمان دجال کو مسیح ماننے سے بچیں اور اس کے زمانے میں اصل مسیح کی آمد کا انتظار رہیں۔"

(دس نکات کا جواب ص۱۳)

کیا یہ قرین قیاس ہے کہ دجال جب ایک مہیب اور خوفناک انسان

کی صورت میں علامات مذکورہ بالا کے ساتھ ظاہر ہوگا اور ایک نادر الخلقت
بے نظیر و بے مثال گدھے پر سوار ہوگا تو مسلمانوں میں سے ایک گروہ اس
کو مسیح مان لیگا اور اس کی طرف مسیحائی کا دعویٰ منسوب کرنا بھی مولانا مودودی
صاحب کی ایجاد ہے کیونکہ احادیث میں یہ ذکر کہیں نہیں پایا جاتا کہ وہ مسیح
ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور اس کے نام کے ساتھ جو المسیح کا لفظ آیا
ہے تو اس سے زیادہ تر یہی مراد لیا گیا ہے کہ وہ ہر قسم کی خیر سے خالی ہوگا۔
دوسرے اس کی کثرت سیاحت کی وجہ سے کہ وہ تمام دنیا میں پھرے گا اسے
مسیح کہا گیا ہے اور کسی محقق عالم نے یہ نہیں لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ
وہ مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ پس مولانا مودودی صاحب نے
بغیر سوچے سمجھے سوال ۱۲ کے جواب میں ایسی باتیں لکھی ہیں۔

دمشق کے لفظ پر حیرانی

اسی سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب اپنے جوابات کے ضمیمہ "دمشق"
میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کے اس فقرہ پر کہ
"حضرت مسیح دمشق کے منارہ سفید مشرقی کے پاس اتریں گے"
یہ لفظ ابتدا سے محقق لوگوں کو حیران کرتا چلا آیا ہے"
اپنی غلطی جتانے کے لیے فخریہ انداز میں لکھتے ہیں۔
"واضح رہے کہ دمشق کے لفظ پر مرزا صاحب سے پہلے کسی
صاحب علم کو حیرانی نہیں پیش آئی۔ علم حدیث کے جتنے شارحین
گزرے ان میں سے کسی کے کلام میں بھی حیرانی کا کوئی اثر نہیں پایا
جاتا۔ البتہ مرزا صاحب کو ضرور یہ حیرانی لاحق رہی ہوگی کہ [illegible]

سفید منارہ بھی نہیں پایا گیا۔ سوائے اس مینارہ کے جو اس پہاڑی پر عیسائیوں نے بنایا ہے جہاں سے بزعم ان کے وہ آسمان پر چڑھے تھے۔

نیز مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ تمیم داری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق بیان کیا کہ اس نے ایک گرجا میں دجال کو مقید دیکھا۔ (ممکن ہے تمیم داری کا یہ خواب ہو) اور دجال نے یہ کہا کہ وہ وقت آئے گا جب میں سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر جگہ جاؤں گا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ دجال مشرق سے خروج کرے گا۔ اور مسیح کا بقول مولانا مودودی صاحب صرف یہی کام ہے کہ وہ فتنہ دجال کو مٹا دے اس لیے لازمی طور پر ماننا پڑتا ہے کہ مسیح کا ظہور بھی مدینہ سے مشرق کی طرف ہو اور دمشق مدینہ منورہ سے بھی مشرق میں نہیں ہے۔

امید ہے کہ مولانا مودودی صاحب شرح حدیث سے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرتے ہوئے دمشق میں نزول مسیح کے متعلق صاحب علم لوگوں کی حیرانی کو دور کرنے کا کوئی معقول حل بتائیں گے۔

——— دیدہ باید ———

تیسرا سوال

(الف) کیا مسیحؑ اور مہدی کا درجہ نبی کا ہوگا؟ اور

(ب) انہیں وحی والہام بھی ہوگا؟

جواب:- مسیح موعودؑ کے بارہ میں ثابت ہے کہ وہ نبی اللہ ہونگے اور جیسا کہ پہلے سوال کے جواب میں ثابت کیا جاچکا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ اور امام مہدی ایک ہی وجود کے دو نام ہیں۔ اس لئے عدالت کے اس سوال کا جواب اثبات میں ہے۔

مسیح موعودؑ کے نبی ہونے کا ثبوت

اس امر کا ثبوت کہ مسیح موعودؑ کا درجہ نبی کا ہوگا درج ذیل ہے:-

(الف) احادیث نبویہ۔

(۱) صحیح مسلم کی حدیث میں (جو نواس بن سمعانؓ سے مروی ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے حق میں چار مرتبہ نبی اللہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

یحصر نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ ....

فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ ....

یہبط نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ ....

فیرغب نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ ....

(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

نیز ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ مطبوعہ مصر

نیز مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۶ مطبع مجتبائی

(۲) اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عیسےٰ کے متعلق فرمایا:۔

لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ نَبِیٌّ وَاِنَّہٗ نَازِلٌ۔ (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۵)

یعنی عیسیٰ موعود جو آنے والے ہیں میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عیسیٰ نبی ہوں گے۔

(۳) اسی طرح حضرت شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنی کتاب نبراس (تالیف ۱۲۳۳ھ) میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

سَیَکُوْنُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ کُلُّھُمْ یَدَّعِیْ اَنَّہٗ نَبِیٌّ وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ۔

کہ میرے بعد تیس کذاب ہوں گے۔ ہر ایک ان میں سے نبی ہونے کا دعویٰ کرے گا۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر جو خدا تعالیٰ چاہے۔

یہ حدیث نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس میں استثناء کیا گیا ہے۔ [illegible] اس کی [illegible] ہے کہ اس سے مراد عیسیٰ علیہ السلام [illegible] کہ وہ میرے بعد نبی ہوں گے۔

(النبراس صفحہ [illegible] مطبع [illegible] میرٹھ)

اقوالِ بزرگان و علمائے کرام

(۱) شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لَا خِلَافَ اَنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نَبِیٌّ وَرَسُوْلٌ
وَاَنَّہٗ لَا خِلَافَ اَنَّہٗ یَنْزِلُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ حَکَمًا مُقْسِطًا
عَدْلًا بِشَرْعِنَا ..... وَنُبُوَّۃُ عِیْسٰی ثَابِتَۃٌ لَہٗ مُحَقَّقَۃٌ
فَھٰذَا نَبِیٌّ وَرَسُوْلٌ قَدْ ظَھَرَ بَعْدَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ وَھُوَ صَادِقٌ فِیْ قَوْلِہٖ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ فَعَلِمْنَا
قَطْعًا اَنَّہٗ یُرِیْدُ نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ خَاصَّۃً ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۱ ص)

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت عیسٰی نبی اور رسول ہیں۔ اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آئیں گے۔ اور ان کے لئے نبوت ثابت اور محقق ہے۔ پس وہ نبی اور رسول ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوں گے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس بات میں صادق ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس لئے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ آپ نے اپنے قول لا نبی بعدی سے یہ مراد لی ہے۔ کہ آپ کے بعد نبوت تشریعی نہیں ہوگی۔ اسی طرح آپ فرماتے ہیں:۔

لَا نُبُوَّۃَ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَاِنْ کَانَ بَعْدَہٗ
مِثْلُ عِیْسٰی مِنْ اُولِی الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَخَوَاصِّ
الْاَنْبِیَاءِ ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۵۵ ... مصری)

کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد نبوت تشریعی نہیں ہوگی۔ اگرچہ آپ کے بعد عیسٰی جیسے اولوالعزم اور خاص نبی آئیں گے۔

(۲) امام جلال الدین سیوطی اور نبوت مسیح موعود

"وَمَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ فَقَدْ كَفَرَ حَقًّا كَمَا صَرَّحَ بِهِ السُّيُوطِيُّ فَإِنَّهُ النَّبِيُّ لَا يَذْهَبُ عَنْهُ وَصْفُ النُّبُوَّةِ فِي حَيٰوتِهٖ وَلَا بَعْدَ مَمَاتِهٖ"

(حجج الکرامہ ص۴۳۱)

ترجمہ:- اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے۔ اور ان سے نبوت چھین لی جائے گی۔ تو وہ یقیناً کافر ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ نبی ہیں۔ اور نبی سے وصف نبوت نہ اس کی زندگی میں علیحدہ ہوتا ہے اور نہ اس کی وفات کے بعد۔

(۳) امام جلال الدین سیوطی (وفات ۹۱۱ھ) نے اپنے رسالہ "الاعلام" میں لکھا ہے:-

کہ یہ جو لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ چار مذاہب میں سے ایک مذہب کے مطابق فیصلہ کیا کریں گے باطل ہے اور اس کا کوئی اصل نہیں۔

وَكَيْفَ يُظَنُّ بِنَبِيٍّ أَنَّهُ يُقَلِّدُ مُجْتَهِدًا مَعَ أَنَّ الْمُجْتَهِدِيْنَ مِنْ آحَادِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ لَا يَجُوْزُ لَهُ التَّقْلِيْدُ وَإِنَّمَا يَحْكُمُ بِالْاِجْتِهَادِ"

(حجج الکرامہ ص۴۳۲ بحوالہ الاعلام)

یعنی ایک نبی کے متعلق یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک مجتہد

کی تقلید کریں گے۔ جبکہ اس امت کے مجتہدین ایک نبی کے مقابلہ میں افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے مسیح موعود کے لیے ان کی تقلید جائز نہیں۔ وہ خود اپنے اجتہاد سے فیصلہ کریں گے۔

(۴) امام الشیخ احمد بن حجر الہیتمی اپنی کتاب الفتاوی الحدیثیہ میں لکھتے ہیں :-

"وَعِیْسٰی نَبِیٌّ کَرِیْمٌ بَاقٍ عَلٰی نُبُوَّتِہٖ وَرِسَالَتِہٖ لَا کَمَا زَعَمَہٗ مَنْ لَّا یُعْتَدُّ بِہٖ اِنَّہٗ وَاحِدٌ مِّنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ لِاَنَّ کَوْنَہٗ وَاحِدًا مِّنْھُمْ یَحْکُمُ بِشَرْعِہِمْ لَا یُنَافِیْ بَقَاءَہٗ عَلٰی نُبُوَّتِہٖ وَرِسَالَتِہٖ"

(الفتاوی الحدیثیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱)

کہ عیسیٰ ایک معزز نبی ہیں۔ وہ بعد نزول بھی اپنی نبوت و رسالت پر قائم یعنی نبی و رسول ہوں گے۔ اور اس شخص کا جو کسی قطار و شمار میں نہیں یہ زعم کہ وہ صرف اس امت کے ایک فرد ہوں گے۔ درست نہیں۔ کیونکہ ان کا امت میں سے ایک ہونا۔ اور ان کی شریعت کے ساتھ حکم کرنا ان کے نبی اور رسول ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(۵) الشیخ بالی آفندی (وفات ۹۶۰ھ) شرح فصوص الحکم میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شیخ ابن عربی کا یہ فرمانا کہ تشریعی نبوت و رسالت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گئی ہے۔

فَلَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ مُشَرِّعًا

پس آپ کے بعد کوئی مشرع نبی نہیں ہے۔ مشرع کا مطلب

وقت امت محمدیہ میں بطور ایک خلیفہ کے ہوں گے۔ مگر پھر بھی وہ حسب سابق رسول اور نبی ہوں گے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ وہ محض امتی ہو کر بغیر نبوت اور رسالت کے آئیں گے صحیح نہیں۔ اور ایسے شخص کو یہ معلوم نہیں ہے کہ نبوت و رسالت تو ایسی نعمتیں ہیں جو موت کے بعد بھی زائل نہیں ہوتیں تو زندہ سے کیونکر ہو سکتی ہیں۔ وہ بے شک اس امت کے ایک فرد ہوں گے۔ لیکن بحیثیت نبی اور رسول کے۔

(۵) نواب صدیق حسن خانصاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں لکھتے ہیں:۔

(۱) خاتم الرسل کے مرتبہ کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ ایسا پیغمبر جو کلمہ خدا اور روح اللہ ہے زمان آخر میں ان کی امت میں شامل ہوگا۔ یہ مرتبہ تو دنیا میں پایا جائے گا۔ آخرت میں پورا پورا رتبہ مرتبت سب انبیاء و رسل پر ظاہر ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۶)

(۲) پھر صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ "مسیح کے نزول کے بعد ان پر اہل کتاب کا ایمان لانا یوں ہوگا۔ کہ ان کو خدا کا نبی و رسول و عبد سمجھ کر ان کی اطاعت کریں گے۔ مسلمان ہو جائیں گے جو مسلمان نہ ہوگا، قتل کیا جائے گا۔"

(۶) رئیس المشائخ دارالعلوم دیوبند مولانا انور شاہ صاحب خاتم النبیین کی تشریح میں لکھتے ہیں:۔

"عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں گے اور دنیا اور کوئی نبی نہیں

ہو گا۔" (عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسٰی علیہ السلام (مطبع قاسمی دیوبند ص ۱۹ و ۲۱۵)

الغرض حدیث نبوی۔ اقوال ائمہ و علماء سے یہ ثابت ہے کہ آنیوالا مسیح نبی اللہ ہو گا۔ اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا ہے کہ وہ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے۔ ان کے عقیدہ کو ائمہ کرام اور علمائے امت نے غلط قرار دیا ہے۔ مولوی منظور علی صاحب اظہر نمائندہ مجلس احرار نے بھی اپنی بحث کے دوران میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود نبی ہوں گے۔

سوال کی شق ب کا جواب

مسیح موعود اور مہدی پر نزول وحی والہام کا ثبوت

اس امر کا ثبوت کہ مسیح موعود و مہدی مسعود پر وحی والہام ہو گا۔ حسب ذیل ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"فَبَیْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اِنِّيْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا مِّنْ عِبَادِيْ لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِيْ اِلَى الطُّوْرِ الحدیث"

(صحیح مسلم مع شرح نووی جلد اول ص ۲۱۰ مطبوعہ مطبع اصح المطابع دہلی ۱۲۷۶ھ)

یعنی مسیح موعودؑ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی ہو گی کہ میں نے اپنے ایسے بندے نکالے ہیں کہ کسی شخص کو ان کے ساتھ لڑنے کی طاقت نہیں پس تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جا کر ان کو محفوظ کر لے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح موعودؑ کی طرف وحی ہو گی۔

(۲) امام حافظ جلال الدین سیوطی مصری کتاب الاعلام میں لکھا ہے۔

"اِنَّہٗ (عِیْسٰی) بَعْدَ نُزُوْلِہٖ یُوْحٰی اِلَیْہِ بِجِبْرِیْلَ وَحْیًا حَقِیْقِیًّا وَاَطَالَ فِی الْاِحْتِجَاجِ لِذٰلِکَ وَالرَّدِّ عَلٰی مُنْکِرِہٖ"

(اسعاف الراغبین للشیخ محمد الصبان مصری ۱۳۶

برحاشیہ نورالابصار للشیخ الشبلنجی مصری)

یعنی عیسےٰ علیہ السلام پر ان کے نزول کے بعد حضرت جبرائیل وحی لائیں گے۔ اور اس کی تائید میں بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور اس کے منکر کا رد کیا ہے۔

(۳) حضرت علامہ ابو الفضل شہاب الدین السید محمود الالوسی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے :-

"اور بعض علماء نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام پر ان کے نزول کے بعد وحی ہو گی۔ اور جب شیخ ابن حجر الہیتمی سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں ان کی طرف وحی ہو گی۔ جیسا کہ مسلم اور ان کے علاوہ دوسروں نے نواس بن سمعان سے روایت کی ہے

پھر وحی کی عبارت جس کا ترجمہ زیر عـ۱ اوپر ہو چکا ہے لکھا ہے:۔

"وَذٰلِكَ الْوَحْيُ عَلٰى لِسَانِ جِبْرِيْلَ اِذْ هُوَ السَّفِيْرُ بَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَنْبِيَائِهٖ"

"اور یہ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان پر ہوگی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کے درمیان سفیر ہیں۔"

پھر لکھا ہے:۔

"وَخَبَرُ لَا وَحْيَ بَعْدِيْ بَاطِلٌ وَمَا اشْتَهَرَ اَنَّ جِبْرِيْلَ لَا يَنْزِلُ اِلَى الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهٗ"

یعنی یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جبریل کا نزول زمین کی طرف نہ ہوگا بالکل بے اصل اور باطل ہے بلکہ طبرانی کی ایک روایت سے بھی اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔

"وَلَعَلَّ مَنْ نَفَى الْوَحْيَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ نُزُوْلِهٖ اَرَادَ وَحْيَ التَّشْرِيْعِ وَمَا ذُكِرَ وَحْيٌ لَا تَشْرِيْعَ فِيْهِ"

اور جس نے حضرت عیسیٰ کے نزول کے بعد ان پر وحی نازل ہونے کی نفی کی ہے تو اس کی مراد اس سے وحی تشریعی ہے اور جس وحی کا مسیح موعود پر نازل ہونا مذکور ہے وہ غیر تشریعی ہے۔

(روح المعانی جلد ۲۲ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ
والفتاوی الحدیثیہ ص ۱۲۹)

(۳) نواب صدیق حسن خانصاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں

مسلم کی اس حدیث کی عبارت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

"ظاہر یہی ہے کہ لانے والے اس وحی کے جبرئیل علیہ السلام ہوں گے بلکہ اس کا ہم کو یقین ہے اس میں کچھ تردد نہیں کیونکہ ان کا وظیفہ یہی ہے کہ وہ درمیان خدا اور انبیاء کے سفیر ہوتے ہیں۔ ... مگر اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہ وحی تعلیم شریعت کے لئے ہوگی۔ بلکہ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ ان احکام حوادث و انتظام آفات کے واسطے ہوگی کیونکہ شریعت تو دنیا میں پہلے ہی سے موجود ہے ...... پس وحی اگر آئے گی تو ان کاموں کیلئے آئے گی۔ جو زمانہ عیسوی میں ملاحم و آفات کی جنس سے پیش آنے والے ہیں جیسے نکلنا یاجوج ماجوج کا۔ یہ حدیث ان جبرئیل لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بے اصل ہے۔ حالانکہ کئی احادیث میں آنا جبرئیل کا آیا ہے۔"

(۵) پھر لکھتے ہیں:۔

"مہدی کو علم قیاس نہ ہوگا۔ جو کچھ خدا القاء کرے گا یا فرشتہ حکم دے گا وہ حکم کریں گے۔ یہی وہ شرع حقیقی محمدی ہے۔ کہ اگر رسول خدا صلعم زندہ ہوتے اور یہ معاملہ پیش آتا۔ تو اس میں وہی حکم کرتے جو امام کریں گے۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۵)

(۶) حضرت امام مہدی کی طرف وحی نازل ہونے کا ذکر کتب شیعہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:۔

"وَيُوْحَىٰ اِلَيْهِ فَيَعْمَلُ بِالْوَحْيِ بِاَمْرِ اللّٰهِ"

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۰)

یعنی مہدی کی طرف وحی ہوگی اور وہ اس وحی پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کریں گے۔

ان تمام حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ مسیح موعود و مہدی معہود کی طرف وحی نازل ہوگی۔

(۷) مندرجہ بالا سطور میں ہم نے بالخصوص مسیح موعود و مہدی معہود پر وحی و الہام کے نزول کے بارے میں حوالہ جات درج کئے ہیں ورنہ اولیاء و علماء امت پر بالعموم وحی و الہام کا نزول قرآن مجید۔ احادیث اور اقوال بزرگان سلف سے ثابت ہے جس کی تفصیل ہم مجلس عمل و مجلس احرار کے بیانات کے تحریری جواب میں مع حوالہ جات درج کر چکے ہیں۔

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے تیسرے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے تیسرے سوال کا جواب دیا ہے کہ:۔

"جہاں تک حضرت مسیح کے نزول کا تعلق ہے علماء امت تصریح کرتے

ہیں کہ یہ نزول نبی کی حیثیت سے نہیں ہوگا۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ۳) بلکہ شرح عقائد
نسفی تفسیر روح البیان اور تفسیر روح المعانی میں یہ صاف صاف لکھا گیا ہے
کہ ان کی طرف نہ وحی ہوگی اور نہ احکام مقرر کریں گے۔ ضمیمہ ۳ پیراگراف
۹، ۱۱ و ضمیمہ ۵ پیراگراف ۱۰۔ نیز احادیث میں کہیں اشارۃً کنایۃً
ایسا نہیں پایا جاتا جس سے حضرت عیسیٰ کے نبی کی حیثیت سے آنے اور بذریعہ
وحی شرعی احکام پانے کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔"

تبصرہ

ہم اصل سوال کے جواب میں احادیث اور ائمہ علمائے کرام کے اقوال
سے ثابت کر چکے ہیں کہ مسیح لازماً تابع شریعت محمدیہ نبی ہوں گے۔ اور
ان کی طرف وحی بھی ہوگی۔ اور امام جلال الدین سیوطیؒ [illegible] نے ایسے
شخص کو کفر کی طرف منسوب کیا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ان سے نبوت چھین لی
جائے گی اور وہ نزول کے وقت نبی نہیں ہوں گے اور یہ بھی لکھا ہے کہ
وہ مجتہدین امت میں سے کسی مجتہد کی تقلید نہیں کریں گے۔ بلکہ خود اپنے
اجتہاد سے فیصلہ کریں گے۔ اور امام ابن حجر الہیتمی مکیؒ نے ایسے شخص
کو جو کہتا ہے کہ حضرت مسیح صرف ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے اور
نبی نہیں ہوں گے۔ "من لا یعتد دینہ" کا خطاب دیا ہے یعنی وہ شخص
[illegible] نہیں ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے حضرت مسیحؑ کے زمانہ سابق میں نبی ہونے
اور بوقت نزول بحیثیت نبی نہ ہونے کی مثال یہ دی ہے۔

"خواجہ ناظم الدین اگر اپنے وقت میں پاکستان کے گورنر جنرل تھے
[illegible] گورنر جنرل کا ان سے اعزاز نہیں لیا گیا۔ مگر [illegible]

کے دور میں وہ ہمارے درمیان گورنر جنرل کی حیثیت میں نہیں۔ بلکہ رعیت
دولت پاکستان کے ایک فرد کی حیثیت میں ہیں۔ اسی طرح مسیح ابن مریم کے نزول
کا عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ بالکل ہموار ہو جاتا ہے اور اس امر کا شبہ تک
باقی نہیں رہتا کہ ان کی آمد سے ایک نئے پیشوا کی اتباع کا سوال پیدا ہوگا۔"

(دس نکات کا جواب صفحہ)

حضرت عیسیٰ کے نبی ہونے کو خواجہ ناظم الدین صاحب کے گورنر جنرل ہونے
پر قیاس کرنا قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ خواجہ ناظم الدین صاحب جب گورنر جنرل کے
عہدہ سے سبکدوش ہوئے اسی وقت سے گورنر جنرل ہونے کا وصف ان سے
زائل ہو گیا۔ آئندہ نہ انہیں یہ حق رہا کہ وہ اپنے لئے اس لقب کو استعمال
کریں اور نہ کسی اور کو کہ وہ انہیں گورنر جنرل کہہ کر خطاب کریں لیکن نبوت تو ایک
ایسا وصف ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتا۔ مسیح علیہ السلام نزول کے بعد بھی نبی ہوں گے
اور نبی کہلائیں گے۔ جیسا کہ ہم اصل سوالوں کے جواب میں بہ تفصیل ذکر کر چکے ہیں
اور علامہ آلوسی نے بھی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھا ہے۔

فَهُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ وَرَسُوْلٌ قَبْلَ الرَّفْعِ وَفِي السَّمَاءِ وَبَعْدَ النُّزُوْلِ
وَبَعْدَ الْمَوْتِ اَيْضًا (روح المعانی جلد ۲ صفحہ) یعنی حضرت مسیح رفع سے پہلے بھی نبی اور
رسول تھے اور آسمان میں بھی اور نزول کے بعد بھی اور موت کے بعد بھی (وہ نبی) اور رسول
ہوں گے کیا خواجہ ناظم الدین بھی اسی طرح گورنر جنرل ہیں؟

نبوت تو ایک روحانی مقام ہے جب کسی شخص کو یہ مقام خدا تعالیٰ کی طرف سے
عطا کیا جاتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے مولانا مودودی صاحب نے اس امر پر
بہت زور دیا ہے کہ ان کی پیشوائی کو ماننا ضروری نہیں ہوگا۔ حالانکہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی حالت زار کا ذکر کر کے کہ وہ کئی فرقوں میں منقسم

ہو چکے ہوں گے اور اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور ان نام نہاد مسلمانوں کے علماء بدترین مخلوقات ہوں گے آنے والے مسیح کو حکم عدل اور امام مہدی قرار دیا ہے اور اسی لئے علامہ تفتازانی نے تصریح کی ہے کہ حضرت مسیح لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور مہدی اقتداء کریں گے کیونکہ وہ افضل ہے اور ان کی امامت اولیٰ ہے۔ (شرح عقائد نسفی صفحہ ۱۳۱ مطبوعہ مصر)

لیکن باوجود اس کے مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی امامت اور پیشوائی کو ماننے کی کیا ضرورت؟ سچ ہے جب مولانا مودودی صاحب حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی قیادت منوانے کے متمنی ہیں تو پھر ان کی پیشوائی کو ماننا کیوں ضروری قرار دیں گے۔

تینوں حوالے:۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے جواب میں ضمیمہ ۳ پیراگراف ۱۳،۹ اور ضمیمہ ۵ پیراگراف ۱۰ کو اپنے دعویٰ کی تائید میں خاص طور پر پیش کیا ہے اس لئے طول سے بچنے کے لئے ہم بھی دیگر اقوال چھوڑتے ہوئے انہی تینوں حوالوں پر بحث کرتے ہیں۔

پہلا حوالہ:۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنی تائید میں سب سے پہلے ضمیمہ ۳ پیراگراف ۹ کو پیش کیا ہے آپ بحوالہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں۔

"جس بات کو علماء نے بصراحت بیان کیا ہے بلکہ جس پر تمام علماء کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ عیسیٰ ابن مریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے۔ اور آپ ہی کی ملت پر ہونگے ...... ابن عساکر کی روایت کردہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ کہ الفتہ میرے اور ابن مریم کے درمیان کوئی رسول اور نبی نہیں۔ اور ابن مریم جب آئیں گے تو میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے اور سبکی نے تصریح کی ہے کہ وہ ہمارے نبی صلعم کی

شریعت پر عمل کریں گے۔ یعنی قرآن و سنت کے مطابق"

(ترجمہ عبارت عربی از مولانا مودودی صاحب)

اس عبارت میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰ نبی نہیں ہونگے۔ بلکہ اس کے برعکس ابن عساکر کی روایت کے یہ الفاظ کہ "الکبتہ میرے اور ابن مریم کے درمیان کوئی اور رسول اور نبی نہیں" صاف بتا رہے ہیں کہ ابن مریم نبی اور رسول ہوں گے۔ اس فقرہ کا اس کے سوا اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا۔ اور "اِلَّا اِنَّهٗ خَلِيْفَتِيْ فِيْ اُمَّتِيْ" کہہ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ وہ باوجود رسول اور نبی ہونے کے میری امت میں میرے خلیفہ ہوں گے اور قرآن و سنت کے مطابق حکم کریں گے۔

اس روایت سے مولانا مودودی صاحب کے اس نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ مسیح موعود کسی اور خلیفہ یا امیر کی قیادت تسلیم کریں گے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں وہی خلیفۃ المسلمین ہونگے نہ کوئی اور۔

الفتاوی الحدیثیہ کا حوالہ

معلوم ہوتا ہے مولانا مودودی صاحب نے الفتاوی الحدیثیہ کا خود مطالعہ نہیں کیا۔ بلکہ کسی اور مصنف کی کتاب سے حوالہ نقل کیا ہے جیسا کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ اور دوسرے احمدی مؤلفین کی کتب کے حوالجات انہوں نے الیاس برنی کی کتاب سے نقل کر دیئے ہیں۔

الفتاوی الحدیثیہ جس کا حوالہ مولانا نے دیا ہے وہ ابن حجر عسقلانی کی نہیں بلکہ ابن حجر الہیتمی مکی کی ہے۔ اور اگر انہیں دونوں (صفحہ ۱۲۵، ۱۲۶) کی دوسری عبارتیں ان کے علم میں آجاتیں تو غالباً وہ اس حوالہ کا ذکر نہ کرتے۔ مولانا نے حوالہ نقل کرنے کے لئے بعد جو عبارت چھوڑی ہے وہ یہ ہے:-

• وَفِیْ رِوَایَۃٍ سَنَدُھَا جَیِّدٌ مُصَدِّقًا لِمُحَمَّدٍ وَعَلٰی مِلَّتِہٖ اِمَامًا
مَھْدِیًّا وَحَکَمًا عَدْلًا" یعنی ایک روایت میں ہے جس کی سند اچھی ہے کہ وہ محمد
صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنیوالے اور آپکی ملت پر ہونگے اور امام مہدی اور حکم
عدل ہونگے اور اسی صفحہ ۱۲۸ پر امام ابن حجر الہیتمی کا یہ جواب بھی لکھا ہے کہ حضرت
عیسےٰ علیہ السلام خود اجتہاد کرینگے اور کسی اور کی تقلید نہیں کرینگے۔ اور یہ دونوں
باتیں کہ مسیح موعود امام مہدی ہونگے کسی دوسرے کی قیادت کے ماتحت نہیں ہونگے
بلکہ خود خلیفۃ الرسول ہونگے۔ اور دوسرے مجتہدین کی تقلید نہیں کریں گے
مولانا مودودی صاحب کے نظریات کے مخالف ہیں۔

علامہ ابن حجر الہیتمی کا جو جواب مولانا مودودی صاحب نے نقل کیا ہے
وہ صرف اس سوال کا جواب ہے کہ کیا عیسےٰ نزول کے وقت ہماری شریعت
کے مطابق حکم کریں گے یا کسی اور شریعت کے ساتھ اور صفحہ ۱۲۹ میں اس
سوال کا کہ (ھَلْ ثَبَتَ اَنَّ عِیْسٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ نُزُوْلِہٖ
یُوْحٰی اِلَیْہِ) کیا یہ ثابت ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام کو نزول کے بعد وحی
ہوگی؟ امام ابن حجر الہیتمی نے یہ جواب دیا ہے:۔

نَعَمْ یُوْحٰی اِلَیْہِ وَحْیٌ حَقِیْقِیٌّ کَمَا فِیْ حَدِیْثِ مُسْلِمٍ
ہاں عیسےٰ علیہ السلام کی طرف حقیقی وحی ہوگی جیسا کہ مسلم وغیرہ کی حدیث
میں ہے جو نواس بن سمعان سے مروی ہے اور صحیح روایت میں ہے کہ عیسےٰ
علیہ السلام پر ان الفاظ میں وحی ہوگی "یَا عِیْسٰی اِنِّیْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا لِّیْ
لَا یَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِھِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِیْ اِلَی الطُّوْرِ"
حدیث کے یہ الفاظ ذکر کر کے فرماتے ہیں "اور یہ وحی جبرائیل کی زبان
پر ہے کیونکہ وہی اللہ تعالےٰ اور انبیاء کے درمیان سفیر ہیں"

اور فرماتے ہیں :- وَعِيْسٰی نَبِیٌّ كَرِيْمٌ بَاقٍ عَلٰی نُبُوَّتِهٖ وَرِسَالَتِهٖ لَا كَمَا زَعَمَهٗ مَنْ لَّا يُعْتَدُّ بِهٖ اِنَّهٗ وَاحِدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ۔

اور عیسے معزز نبی ہیں اور اپنی نبوت اور رسالت پر فائز رہیں گے اور یہ درست نہیں جیسا کہ بعض غیر معروف کا جو کسی گنتی میں نہیں خیال ہے کہ وہ دوسروں کی طرح امت کے ایک فرد ہیں۔ کیونکہ ان کا مسلمانوں میں سے ہونا اور ان کی شریعت کے مطابق حکم کرنا ان کی نبوت اور رسالت کے منافی نہیں ہے پھر فرماتے ہیں :-

" وَخَبَرُ لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بَاطِلٌ " اور یہ خبر کہ میرے بعد وحی نہیں بالکل باطل ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت جبریل زمین پر نہیں آتے فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهٗ۔ بے بنیاد اور بے اصل محض ہے اور طبرانی کی روایت بھی اس خیال کو رد کرتی ہے۔

مولانا مودودی صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آنیوالا مسیح نبی نہ ہوگا اور نہ اس کی طرف وحی ہوگی الفتاوی الحدیثیہ کا حوالہ پیش کیا تھا۔ قارئین کرام الفتاوی الحدیثیہ خود پڑھ کر دیکھ لیں کہ آیا اس کے صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ سے جن میں مذکورہ بالا عبارات درج ہیں مولانا مودودی صاحب کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے یا ہمارے نظریہ کی جو ہم نے تیسرے سوال کے جواب میں لکھا ہے۔

دوسرا حوالہ جس کا ذکر خاص طور پر مولانا مودودی صاحب نے اپنے جواب میں کیا ہے وہ تفہیم ۲۳۱ کا پیراگراف ۱۲ ہے اور وہ علامہ آلوسی کی تفسیر روح المعانی جلد ۲۲ صفحہ ۳۲ کا ہے جو یہ ہے :-

" پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے تو اپنی اس نبوت پر باقی ہونگے جو ان کو پہلے ملی ہوئی تھی۔ بہرحال اس سے معزول نہ ہو جائیں گے مگر وہ اپنی پہلی شریعت

کے پیرو نہ ہونگے کیونکہ وہ ان کے اور سب لوگوں کے حق میں منسوخ ہو چکی ہے اور اب وہ اصول اور فروع میں اس شریعت کی پیروی کا پند مکلف ہیں لہذا ان پر نہ تو وحی ہو گی اور نہ ان کو احکام مقرر کرنے کا اختیار ہوگا بلکہ وہ رسول اللہ صلعم کے خلیفہ اور آپ کی امت میں آپ کی ملت کے حکام میں سے ایک حاکم ہوں گے"۔ (ترجمہ عربی عبارت از مولانا مودودی)

علامہ آلوسی نے بھی اس عبارت میں اسی عقیدہ کا اظہار کیا ہے کہ وہ باوجود نبی ہونے کے شریعت محمدیہ کے پیرو ہونگے۔ اور اس سوال پر کہ آپ کی طرف وحی ہو گی یا نہیں بحث کرتے ہوئے علامہ آلوسی نے امام ابن حجر الہیتمی کا جواب الفتاوی الحدیثیہ سے پورے کا پورا نقل کیا ہے اور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ "وَلَعَلَّ مَنْ نَفَى الْوَحْيَ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ نُزُوْلِهٖ اَرَادَ وَحْيَ التَّشْرِيْعِ" یعنی جس نے آنے والے مسیح کے متعلق یہ کہا کہ ان کی طرف وحی نہیں ہو گی۔ اغلباً اس کی مراد اس سے وحی تشریعی ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ عقیدہ اسی آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے جہاں سے مولانا مودودی صاحب نے روح المعانی سے عبارت نقل کی ہے پس علامہ آلوسی کا یہ قول کہ ان پر نہ تو وحی ہوگی اور نہ ان کو احکام مقرر کرنے کا اختیار ہوگا۔ صرف اس معنی میں لیا جائیگا۔ کہ مسیح موعود کی طرف تشریعی وحی نازل نہیں ہو گی۔ اور نہ انہیں اسلامی شریعت میں احکام کے تغیر و تبدل کا اختیار ہوگا۔

تفسیر کا حوالہ۔ مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ ۵ پیرا گراف ۲ با تفسیر روح البیان سے پیش کیا ہے اس حوالہ میں سے جو حصہ ہمارے سوال سے متعلق ہے اس میں بھی یہی لکھا ہے کہ "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا نزول آپ کے خاتم النبیین ہونے میں حارج نہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی ہوئے تھے۔ اور جب وہ نازل ہوں گے تو آپ کے قبلے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ گویا کہ وہ آپ کی امت کے افراد میں سے ہیں۔ پس ان کی طرف نہ وحی ہو گی اور نہ وہ نئے احکام قائم کریں گے۔ بلکہ رسول اللہ کے خلیفہ ہوں گے"۔

اس عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عیسیٰ مسیح جب آئیں گے۔ تو وہ نبی ہوں گے۔ لیکن شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے۔ پس جہاں کہیں علماء نے یہ لکھا ہے کہ مسیح پر وحی نہیں ہو گی۔ تو اس سے مراد وحی تشریعی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف نئے احکام جاری نہیں کریں گے۔

یہ بحث کہ خاتم النبیین سے کیا مراد ہے اور علماء کے اس قول سے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ کس قسم کا نبی مراد ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو جواب سوال ۵ ۔ اور مولانا مودودی صاحب کے سوال ۵ کے جواب پر تبصرہ۔

چوتھا سوال

کیا ان میں سے ایک یا دونوں قرآن یا سنّت کے کسی قانون کو منسوخ کریں گے؟

جواب۔ جہاں تک جماعت احمدیہ کے عقیدہ کا سوال ہے وہ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کی قائل نہیں ہے اور نہ اس کے نزدیک قرآن مجید یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی حکم منسوخ ہو سکتا ہے اس لئے مسیح موعود کو قرآن مجید یا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔

> "اور ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ قرآن شریف خاتم کتب سماوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور اوامر سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور نہ کم ہو سکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا الہام منجانب اللہ نہیں ہو سکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کی تبدیل یا تغییر کر سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ ہمارے نزدیک مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔"
>
> (ازالہ اوہام ایڈیشن اول حصہ اول ص ۱۳۸)

البتہ یہ ہے کہ حدیث میں مسیح موعود کے متعلق جو یضع الحرب کے الفاظ آتے ہیں ان میں ہمارے نزدیک یہ پیشگوئی پائی جاتی ہے کہ مسیح موعود کے وقت سیاسی لڑائیاں ہوں گی نہ کہ مذہبی۔ پس دینی جنگ کی شرائط کے

نہ پائے جانے کی وجہ سے مسیح موعود جہاد سیفی کے التوا کا اعلان کردیئے جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے اعلان کیا ہے۔

"تلوار کے جہاد کی شرائط کے نہ پائے جانے کے باعث موجودہ ایام میں تلوار کا جہاد نہیں رہا۔"

اس کے آگے فرماتے ہیں۔

"ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم کافروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں۔ اور جب تک وہ ہم پر تلوار نہ اٹھائیں۔ ہم بھی اس وقت تک ان پر تلوار نہ اٹھائیں۔

(ترجمہ ملخص از عربی عبارت حقیقۃ المہدی صفحہ ۱۹)

مخالفین احمدیت نے اس اعلان پر ناحق یہ شور مچایا کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے جہاد کو منسوخ کردیا ہے۔ حالانکہ آپ نے جو اعلان کیا وہ شریعت اسلامی کے عین مطابق تھا۔ اور ہم یقین رکھتے ہیں کہ جو کوئی شریعت اسلامیہ کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اس پر آخرکار حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے نظریہ کی صداقت کھل جائے گی۔ ڈاکٹر اقبال نے بھی اپنی بعض تحریرات میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ پر منسوخیٔ جہاد کا الزام لگایا تھا لیکن آخرکار انہیں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے نظریہ کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑا۔ دسمبر ۱۹۳۶ء میں ایک معترض کا جواب دیتے ہوئے لکھا۔

قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جبکہ

جبکہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے۔
مسلمانوں کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم) دوسری
صورت میں جس میں جہاد کا حکم ہے۔ ۹/۴۹ میں بیان ہوئی ہے
(وہ آیت) وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا الآیۃ
ہے یعنی جب مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے
درمیان صلح کرا دو۔ اگر ایک فریق ان میں سے مصالحت کمیٹی
کا فیصلہ نہ مانے تو باقی سب مومن اس سے جنگ کریں۔ (ناقل)
...... جنگ کی مذکورہ بالا دو صورتوں کے سوا میں اور
کسی جنگ کو نہیں جانتا۔ جوع الارض کی تسکین کے لئے
جنگ کرنا دین اسلام میں حرام ہے علیٰ ہذا القیاس دین کی
اشاعت کے لئے تلوار اٹھانا بھی حرام ہے۔
(اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال صفحہ ۲۵۲، ۱۵۴)

حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:۔
قرآن شریف صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کے لئے حکم
فرماتا ہے۔ جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو ایمان لانے سے روکیں
اور اس بات سے روکیں۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر
کاربند ہوں اور اس کی عبادت کریں۔ اور ان لوگوں کے ساتھ
لڑنے کے لئے حکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور
مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ
کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں۔ اور دین اسلام کو نابود
کرنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو مسلمان ہونے سے روکتے ہیں

یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا تعالےٰ کا غضب ہے اور مومنوں
پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آئیں۔
(ذخیرۃ الحق حصّہ اوّل ص۴۵)

بہرحال حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے حکم جہاد کو منسوخ نہیں کیا۔ اور جہاں تک غیر احمدی علماء کا سوال ہے وہ جیسے کہ پہلے علماء نے لکھا ہے قرآن مجید اور سنت میں نسخ کے قائل ہیں۔ پھر نسخ کے قائلین نے اپنے علم و فہم کے مطابق قرآن مجید کی منسوخ آیات کے تعین کے بارہ میں اختلاف کیا ہے۔ اور اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور کتاب "الناسخ والمنسوخ فی القرآن الحکیم" ہے۔ جو ابوجعفر محمد بن احمد بن اسمٰعیل الصفار المصری (وفات ۳۳۸ھ) نے لکھی ہے اور وہ ابوجعفر النحاس کے نام سے مشہور ہیں۔

اور ایک اور کتاب "الموجز فی الناسخ والمنسوخ" ہے جو حافظ المظفر بن الحسن بن زید بن علی خزیمہ الفارسی کی ہے۔
(۱) ابوجعفر النحاس نے نسخ کے متعلق علماء کے پانچ قول لکھے ہیں۔

(۱) قرآن یعنی ایک قرآنی آیت دوسری قرآنی آیت کو اور سنت کو منسوخ کرتی ہے یہ کئی علماء کا قول ہے۔
(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قرآن قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔ لیکن سنت قرآن کو منسوخ نہیں کرتی۔

(۳) علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ سنت قرآن اور سنت دونوں کو منسوخ کر سکتی ہے۔

(۴) ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ سنت سنت کو منسوخ کرتی ہے۔ اور قرآن سنت کو منسوخ نہیں کرتا۔

(۵) محمد بن شجاع نے لکھا ہے کہ جب احکام ایک دوسرے کے متقابل ہوں۔ تو میں ان میں سے ایک کو لے کر دوسرے حکم کے خلاف فیصلہ نہیں دوں گا۔

(کتاب الناسخ والمنسوخ ص۸ مطبوعہ مصر)

پھر امام ابو جعفر النحاس نے قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے منسوخ آیات کا ذکر کیا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں سے (۳۱) آیتوں کے منسوخ ہونے کا ذکر ہے۔

(کتاب الناسخ والمنسوخ ص۸۲)

اور ابن خزیمہ نے اپنی کتاب موجز میں ۲۴۱ آیتیں منسوخ اور ۲۲ آیتیں ناسخ قرار دی ہیں۔

(کتاب الناسخ والمنسوخ فی القرآن مطبوعہ مصر ص۲۷۰)

اور شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب الفوز الکبیر میں لکھا ہے۔ کہ بعض کے نزدیک قرآن کریم میں پانچ سو آیات منسوخہ ہیں۔ اور امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں بیان شیخ ابن العربی کے بعد بیس آیتیں منسوخ گنی ہیں۔ اور ان بیس آیات کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ میرے نزدیک صرف پانچ آیتیں منسوخ ہیں۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۱۱ مطبوعہ مطبع علمی لاہور)

(ب) عام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب حضرت عیسٰے علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو وہ جزیہ لینا منسوخ کر دیں گے۔ اور لوگوں کے سامنے سوائے اسلام لانے یا قتل کے اور کوئی صورت پیش نہیں کریں گے۔

حوالجات درج ذیل ہیں:۔

"وَاَمَّا قَوْلُهٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضَعُ الْجِزْیَۃَ
وَالصَّوَابُ فِیْ مَعْنَاہُ اَنَّهٗ لَا یَقْبَلُهَا وَلَا یَقْبَلُ مِنَ
الْکُفَّارِ اِلَّا الْاِسْلَامَ وَمَنْ بَذَلَ مِنْهُمُ الْجِزْیَۃَ لَمْ
یُکَفَّ عَنْهُ بِهَا بَلْ لَا یَقْبَلُ اِلَّا الْاِسْلَامَ اَوِ
الْقَتْلَ هٰکَذَا قَالَ الْاِمَامُ اَبُوْ سُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ
وَغَیْرُهٗ مِنَ الْعُلَمَآءِ .... فَعَلٰی هٰذَا
قَدْ یُقَالُ هٰذَا خِلَافُ مَا هُوَ حُکْمُ الشَّرْعِ
الْیَوْمَ فَاِنَّ الْکِتَابِیَّ اِذَا بَذَلَ الْجِزْیَۃَ وَجَبَ
قُبُوْلُهَا وَلَمْ یَجُزْ قَتْلُهٗ وَلَا اِکْرَاهُهٗ عَلَی الْاِسْلَامِ
وَجَوَابُهٗ اِنَّ هٰذَا الْحُکْمَ لَیْسَ مُسْتَمِرًّا اِلٰی
یَوْمِ الْقِیَامَۃِ بَلْ هُوَ مُقَیَّدٌ بِمَا قَبْلَ نُزُوْلِ عِیْسٰی عَلَیْهِ
السَّلَامُ وَقَدْ اَخْبَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
فِیْ هٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ بِنَسْخِهٖ وَلَیْسَ
عِیْسٰی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُوَ النَّاسِخُ بَلْ نَبِیُّنَا
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُبَیِّنُ لِلنَّسْخِ"

(شرح النووی مع صحیح مسلم جلد اول ص ۸۱
(مطبوعہ اصح المطابع دہلی)

ترجمہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ حضرت عیسٰے جزیہ
کو موقوف کر دیں گے۔ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ کہ وہ جزیہ کو قبول نہیں
کریں گے۔ اور کفار سے صرف ان کا اسلام لانا قبول کریں گے۔ اور ان
میں سے اپنے آپ کو جو جزیہ دے کر چھڑانا چاہے گا۔ تو وہ اس سے
قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ مسیح موعود علیہ السلام ان کے صرف اسلام لانے
کو ہی قبول کریں گے۔ اور اگر کوئی اسلام نہ لائے گا تو اسے قتل کر دیں گے
امام ابو سلیمان الخطابی وغیرہ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان
یضع الجزیۃ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ امر موجودہ شرع اسلامی کے خلاف
ہے کیونکہ کتابی (اہل کتاب) جب جزیہ ادا کرے تو اس کا قبول کرنا
واجب ہے اور اس کا قتل ناجائز۔ اور اسے اسلام لانے پر مجبور کرنا
بھی ناجائز ہے؟

اس سوال کا یہ جواب ہے کہ جزیہ لینے کا حکم قیامت تک کے لئے
نہیں بلکہ حضرت عیسٰے کے نزول تک ہے اور احادیث صحیحہ میں
نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے منسوخ ہونے کی خبر دے دی ہے
اس لئے حضرت عیسٰے خود اس حکم کے ناسخ نہیں۔ کیونکہ خود نبی صلے اللہ
علیہ وسلم نے اس حکم کا منسوخ ہونا بیان کر دیا ہے۔

نوٹ :- مندرجہ بالا حوالہ میں حضرت مسیح موعود کیلئے صلی اللہ علیہ
وسلم کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

(۲) نواب صدیق حسن خان صاحب بحوالہ فتوحات مکیہ لکھتے ہیں :-
جزیہ لینا موقوف کر دیں گے۔ خدا کی طرف تلوار کے ذریعہ سے

بلائیں گے۔ جو نہ مانے گا مارا جائے گا۔ جوان سے جھگڑے گا۔ وہ کامیاب نہ ہوگا۔

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۴)

(۱) علماء کے مذکورہ بالا عقیدہ سے ایک تو قرآن مجید کی آیت حتیٰ یعطوا الجزیۃ عن ید (توبہ ع ۴) کا منسوخ ہو جانا لازم آتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں اہل کتاب کے متعلق یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان سے جنگ صرف اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک وہ جزیہ دینا اختیار نہ کریں۔ اور جب وہ جزیہ دینا مان لیں۔ تو ان سے جنگ بند کر دی جائے۔ لیکن غیر احمدی علماء کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام کفار سے سوائے اسلام کے کوئی اور چیز قبول نہیں کریں گے۔ اگر کوئی اسلام نہیں لائے گا۔ تو اسے قتل کیا جائے گا۔

(۲) نیز اس عقیدہ سے آیت لا اکراہ فی الدین (البقرہ ع ۳۴) کو بھی اس زمانہ میں منسوخ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ مذکورہ بالا عقیدہ کی رو سے اسلام میں اکراہ لازم آتا ہے۔

(۳) نیز آیت قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف ع ۴) کا بھی نسخ لازم آئے گا۔ جس کے یہ معنی ہیں۔ تو کہہ دے کہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ پس جو چاہے۔ اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔ یعنی ہم کسی کو اس کے ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتے۔ اور اسی طرح آیت لکم دینکم ولی دین کہ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔ بھی اس عقیدہ سے منسوخ ہو جائے گی۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے عقیدہ کی رو سے تو مسیح موعود یا مہدی کو قرآن مجید یا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا لیکن غیر احمدی علماء کے عقیدہ کے مطابق ان کو بعض قرآنی و نبوی احکام کے منسوخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

مولانا مودودی صاحب کے تحقیقاتی عدالت کے چوتھے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے:۔

"قرآن اور سنت کے کسی حکم کو منسوخ کرنا یا کسی حکم میں ردو بدل کرنا عیسیٰ ابن مریم اور مہدی دونوں کے اختیارات سے قطعاً خارج ہے"

چونکہ مولانا مودودی صاحب کا یہ جواب ہمارے جواب کے مطابق ہے اس لئے اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں۔ مولانا مودودی صاحب نے یضع الجزیۃ کی جو وجہ اپنے جواب میں بیان کی ہے اس کے مخالف ہم مستند علماء کے اقوال اپنے جواب میں پیش کر چکے ہیں۔ لہذا اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

پانچواں سوال

پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کو کس طریق پر وحی آتی تھی؟ اور کیا حضرت جبرائیل مرئی صورت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے؟

جواب۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ ؕ (النساء ع ۱۳) کہ اے رسول ہم نے تیری طرف وحی کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے نوحؑ اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کو وحی کی۔

وحی کے تین طریق

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ (الشوریٰ ع ۵)

کہ خدا تعالےٰ کسی بشر سے کلام نہیں کرتا۔ مگر وحی کے ذریعہ سے۔ یا پردہ کے پیچھے سے یا وہ بھیجتا ہے فرشتہ پیغامبر جو وحی کرتا ہے خدا کے اذن سے جو خدا چاہتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالےٰ بہت بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں وحی کے مندرجہ ذیل تین طریق بیان ہوئے ہیں

(۱) وحی

(۲) پردہ کے پیچھے سے۔ (من وراء حجاب)

(۳) رسول یعنی فرشتہ کے ذریعہ۔

پہلی صورت جس کا نام وحی رکھا گیا ہے وہ اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے کئی صورتوں پر مشتمل ہے۔

(۱) اشارہ (۲) لکھی ہوئی چیز (۳) الہام (۴) رؤیا۔ (۵) پوشیدہ طور پر کسی چیز کے متعلق اطلاع دینا۔ اور مخفی کلام۔ وحی کے یہ معنے لسان العرب میں زیر لفظ وحی لکھے ہیں۔ اور ابن حجر العسقلانی نے بھی صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں ذکر کیے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیسے ہوتی تھی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث ابن ہشام نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ "کَیْفَ یَاْتِیْکَ الْوَحْیُ" کہ آپ کے پاس وحی کیسے آتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔

(۱) کہ کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ وحی کی قسم سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے۔ جب مجھ سے یہ حالت وحی منقطع ہو جاتی ہے تو وہ بات مجھے یاد ہوتی ہے جو (فرشتہ نے) کہی ہوتی ہے۔

(۲) اور کبھی فرشتہ میرے لئے انسان کی شکل میں متمثل ہو کر مجھ سے کلام کرتا ہے۔ تو جو کچھ وہ مجھے کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ ام المؤمنین فرماتی ہیں:۔

میں نے دیکھا ہے جب کبھی آپ پر شدت سرما میں بھی وحی نازل ہوتی

تھی۔ تو حالت وحی کے زائل ہونے کے بعد آپ کی پیشانی مبارک سے
پسینہ بہ رہا ہوتا تھا۔

(۳) پھر امام بخاریؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ایک اور روایت نقل
کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں:۔

"اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ"۔

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویاء صالحہ سے ہوئی
آپ نیند میں جو رویاء دیکھتے وہ صبح روشن کی طرح پوری ہو جاتی پھر آپ
نے غار حرا میں کئی کئی روز تک متواتر عبادت شروع کی۔ آخر آپ کے
پاس فرشتہ آیا اور کہا کہ پڑھو۔ تو آپ نے کہا کہ میں قاری نہیں ہوں
آپ نے فرمایا۔ پھر اس فرشتہ نے مجھے پکڑا۔ اور سینہ سے لگا کر زور سے
دبایا۔ یہانتک کہ مجھے انتہائی تکلیف محسوس ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ
دیا اور پڑھنے کے لئے کہا۔ میں نے کہا۔ میں قاری نہیں ہوں۔
تو پھر اس نے پہلے کی طرح زور سے دبایا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔
اسی طرح تیسری مرتبہ کیا۔ پھر اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ
خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ یہ آیات
پڑھائیں۔

(۴) اس کے بعد امام بخاری جابر بن عبد اللہ الانصاریؓ کی یہ روایت
درج کرتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کچھ دن تک وحی
نازل نہ ہوئی تو آپ سے یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"بَيْنَمَا أَنَا أَمْشِي إِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ

بِبَصَرِیْ فَاِذَا الْمَلَکُ الَّذِیْ جَاءَنِیْ بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْهُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی یَااَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ وَثِیَابَکَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ"

اس اثنا میں کہ میں جا رہا تھا۔ کہ مجھے آسمان سے آواز سنائی دی میں نے اپنی آنکھ اٹھائی۔ تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کو دیکھ کر مجھ پر انتشار رعب طاری ہوا۔ کہ میں گھر کو واپس آگیا اور کہا کہ مجھے چادر اُڑھا دو۔ تو پھر یہ آیات نازل ہوئیں۔

"یَا اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ اِلٰی فَاهْجُرْ"

(بخاری جلد اول مطبوعہ اصح المطابع دہلی صہ۳)

ان احادیث سے قریب اس امر کا پتہ لگتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کیسے نازل ہوتی تھی۔

امام ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں احادیث کی بنا پر اللہ تعالےٰ کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کلام یا وحی کی سات صورتیں لکھی ہیں:۔

پہلی صورت:۔ رویاء صادقہ ہے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کا مبداء جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ رؤیا صالحہ ہی تھیں۔ آپ جو رؤیا دیکھتے وہ روشن تارے سے پوری ہو جاتی۔

دوسری صورت :- فرشتہ جسے آپ دیکھتے نہیں تھے آپ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رَوْعِیْ اِنَّہٗ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَہَا"

کہ روح القدس نے میرے دل پر القاء کیا کہ کوئی جان اس وقت تک نہیں مرتی جب تک کہ وہ اپنے رزق کو پورا نہ کرلے۔

تیسری صورت :- کہ فرشتہ انسانی صورت میں متمثل ہو کر آپ سے بات کرتا تھا۔ اور جو وہ کہتا تھا آپ اسے یاد کر لیتے تھے اور اس مرتبہ میں وہ فرشتہ صحابہ کو بھی کبھی کبھی نظر آجاتا تھا۔

چوتھی صورت :- کہ آپ کے پاس وحی صَلْصَلَۃُ الْجَرَس (گھنٹی کی آواز) کی مانند آتی تھی۔ اور یہ صورت آپ پر وحی کی سب سے زیادہ گراں یا سخت ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ سخت سردی کے موسم میں بھی آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنا شروع ہو جاتا تھا۔ اور اگر آپ سواری پر ہوتے تو سواری بیٹھ جاتی تھی۔ اور جب حالت وحی کی جاتی رہتی۔ تو جو بات فرشتہ سے بتائی ہوتی وہ آپ کو یاد رہتی تھی۔

(صلصلۃ الجرس سے مراد یہ ہے کہ ٹن ٹن کی طرح کی مسلسل آواز آتی۔ اور اس کے معنی مسلسل آواز کے بھی کئے گئے ہیں۔ جو پہلے سمجھ میں نہیں آتی۔ ناقل)

پانچویں صورت :- آپ فرشتہ کو اصل صورت پر دیکھتے تھے

جو اللہ تعالیٰ لے چاہتا۔ وہ فرشتہ آپ کی طرف وحی کرتا۔ اور صرف دو دفعہ
آپ کے ساتھ ایسا ہوا۔

چھٹی صورت وحی کی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے معراج کی رات
آپ کو نمازوں کی فرضیت وغیرہ کے متعلق کی (اور معراج بھی ایک لطیف
کشف تھا۔ ناقل)

ساتویں صورت۔ اللہ تعالیٰ نے بغیر واسطہ فرشتہ کے آپ
سے کلام کیا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا
تھا۔

(زاد المعاد مطبوعہ مطبع نظامی کانپور صفحہ ۱۸)

وحی کا تعلق چونکہ دل سے ہے۔ اور معنوی رنگ رکھتا ہے اس لئے
اس کی حقیقت وہی شخص صحیح طور پر بیان کر سکتا ہے جس پر وہ کیفیت
وارد ہوتی ہو یہی وجہ ہے کہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر
وحی کے نزول کی صورتیں جو مختلف الفاظ میں بیان ہوئی ہیں ان کی
تشریح مختلف رنگوں میں بیان کی گئی ہے لیکن ان کی اصل کیفیت
صاحب حال شخص ہی بیان کر سکتا ہے جس پر وہ کیفیت وارد ہوئی ہو۔
چونکہ حضرت بانی جماعت احمدیہ اس میں صاحب تجربہ تھے۔ اس لئے
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ الہام اور وحی کے نزول کی صورتوں کے متعلق
جو آپ [illegible] وہ یہاں درج کر دیا جائے۔

[illegible] خدا تعالیٰ لے کوئی امر غیبی اپنے بندے
[illegible] نرمی سے اور کبھی سختی سے بعض کلمات
[illegible] حالت میں جاری کر دیتا ہے۔ اور جو کلمات

سختی اور گرانی سے جاری ہوتے ہیں۔ وہ ایسی پُرشوکت اور رعب کی صورت میں زبان پر وارد ہوتے ہیں۔ جیسے گڑے یعنی اولے یکبارگی ایک سخت زمین پر گرتے ہیں۔ یا جیسے تیز اور پُرزور رفتار میں گھوڑے کا سُم زمین پر پڑتا ہے۔ اس الہام میں ایک عجیب رعشہ اور شدت اور ہیبت ہوتی ہے جس سے تمام بدن متاثر ہو جاتا ہے۔ اور زبان ایسی تیزی اور بارُعب الفاظ میں خود بخود دوڑتی جاتی ہے کہ گویا وہ اپنی زبان ہی نہیں اور ساتھ اس کے جو ایک تھوڑی سی غنودگی اور ربودگی ہوتی ہے وہ الہام کے تمام ہونے کے بعد فی الفور دور ہو جاتی ہے۔ اور جب تک کلمات الہام تمام نہ ہوں۔ تب تک انسان ایک میّت کی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوتا ہے؟

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ ۴ صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹)[ل]

صورت دوم:- الہام کی۔ جس کا میں باعتبار کثرت عجائبات کے کامل الہام نام رکھتا ہوں یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ بندے کو کسی امر غیبی پر بعد دعا اس بندہ کے یا خود بخود مطلع کرنا چاہتا ہے۔ تو یک دفعہ ایک بیہوشی اور ربودگی اس پر طاری کر دیتا ہے جس سے وہ بالکل اپنی ہستی سے کھویا جاتا ہے۔ اور اس بیخودی اور ربودگی اور بیہوشی میں ایسا ڈوبتا ہے جیسے کوئی پانی میں غوطہ مارتا ہے اور نیچے پانی کے چلا جاتا ہے۔ غرض جب بندہ اس حالت ربودگی سے جو کہ غوطہ سے بہت ہی مشابہ ہے باہر آتا ہے تو اپنے اندر میں کچھ ایسا مشاہدہ کرتا ہے

ل یہ [illegible] روحانی خزائن جلد اول کے صفحہ [illegible] ہیں۔ منش

جیسے ایک گونج پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جب وہ گونج کچھ فرو ہوتی ہے تو ناگہاں اس کو اپنے اندر سے ایک موزوں اور لطیف اور لذیذ کلام محسوس ہو جاتی ہے۔ اور یہ غوطہ ربودگی کا ایک نہایت عجیب امر ہے جس کے عجائبات بیان کرنے کے لئے الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ یہی حالت ہے جس سے ایک دریا معرفت کا انسان پر کھل جاتا ہے۔ کیونکہ جب بار بار دعا کرنے کے وقت خداوند تعالیٰ اس حالت غوطہ اور ربودگی کو اپنے بندہ پر وارد کر کے اس کی ہر ایک دعا کا اس کو ایک لطیف اور لذیذ کلام میں جواب دیتا ہے اور ہر ایک استفسار کی حالت میں وہ حقائق اس پر کھولتا ہے جن کا کھولنا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ تو یہ امر اس کے لئے موجب مزید معرفت اور باعث عرفان کامل ہو جاتا ہے۔ اور جب بندہ عرض حال کے بعد خداوند کریم سے جواب پاتا ہے اسی طرح کہ جیسے ایک انسان دوسرے انسان کی بات کا جواب دیتا ہے اور جواب ایسا ہوتا ہے کہ نہایت فصیح اور لطیف الفاظ میں بلکہ کبھی کبھی ایسی زبانوں میں ہوتا ہے کہ جن سے وہ بندہ ناآشنا محض ہے اور کبھی امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے جو مخلوق کی طاقتوں سے باہر ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم حاشیہ در حاشیہ نمبر ۴ صفحہ ۲۵۰-۲۵۲)

دوسری صورت الہام کی یہ ہے کہ نرم اور آہستہ طور پر انسان کے قلب پر القاء ہوتا ہے۔ یعنی ایک مرتبہ دل پر کوئی کلمہ گزر جاتا ہے جس میں وہ عجائبات بہ تمام و کمال نہیں ہوتے کہ جو پہلی صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ اس میں ربودگی اور

خنودگی بھی شرط نہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ہو جاتا ہے اور
اس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا غیب سے کسی نے وہ کلمہ دل
میں پھونک دیا یا پھینک دیا ہے۔ انسان کسی قدر بیداری میں
ایک استغراق اور ربودیت کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی بالکل بیدار
ہوتا ہے کہ یکدفعہ دیکھتا ہے کہ ایک نو وارد کلام اس کے سینہ میں
داخل ہے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاً وہ کلام دل میں داخل ہوتے
ہی اپنی پُر زور روشنی ظاہر کر دیتا ہے۔ اور انسان متنبہ ہو جاتا
ہے کہ خدا کی طرف سے یہ القاء ہے اور صاحب ذوق کو یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تنفس ہوا اندر جاتی اور تمام دل وغیرہ
اعضاء کو راحت پہنچاتی ہے۔ ویسا ہی وہ الہام دل کو تسلی اور
سکینت اور آرام بخشتا ہے۔ اور طبیعت مضطرب پر اس کی خوشی
اور خنکی ظاہر ہوتی ہے یہ ایک باریک بھید ہے جو عام لوگوں سے
پوشیدہ ہے۔ مگر عارف اور صاحب معرفت لوگ جن کو حضرت
واہب حقیقی نے اسرار ربانی میں صاحب تجربہ کر دیا ہے وہ اس کو
خوب سمجھتے اور جانتے ہیں۔"

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ ۴ صفحہ ۲۴۳)

صورت چہارم: الہام کی یہ ہے کہ رؤیا صادقہ میں
کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف منکشف ہو جاتا ہے یا کبھی کوئی فرشتہ
انسان کی شکل میں متشکل ہو کر کوئی غیبی بات بتلاتا ہے یا کوئی تحریر
کاغذ یا پتھر وغیرہ پر مشہود ہو جاتی ہے جس سے کچھ اسرار غیبیہ ظاہر
ہوتے ہیں وغیرہا من الصور۔" (براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ [illegible])

صورت پنجم:- الہام کی وہ ہے جس کا انسان کے قلب سے کچھ تعلق نہیں۔ بلکہ ایک خارج سے آواز آتی ہے۔ اور یہ آواز ایسے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے ایک پردے کے پیچھے سے کوئی آدمی بولتا ہے۔ مگر یہ آواز نہایت لذیذ اور شگفتہ کسی قدر سرعت کے ساتھ ہوتی ہے اور دل کو اس سے ایک لذت پہنچتی ہے۔ انسان کسی قدر استغراق میں ہوتا ہے کہ ایک دفعہ یہ آواز آجاتی ہے اور آواز سن کر وہ حیران رہ جاتا ہے۔ کہ کہاں سے یہ آواز آئی۔ اور کس نے مجھ سے کلام کی۔ اور حیرت زدہ کی طرح آگے پیچھے دیکھتا ہے پھر سمجھ جاتا ہے کہ کسی فرشتہ نے یہ آواز دی اور یہ آواز خارجی اکثر ایسے امور میں بطور بشارت ہوتی ہے۔ کہ جب انسان کسی معاملہ میں نہایت متفکر اور مغموم ہوتا ہے۔ یا کسی بدخبری کے سننے سے جو اصل میں غلط اور خلاف واقعہ تھی کوئی سخت اندیشہ اس کو دامنگیر ہو جاتا ہے۔ مگر صورت دوم کی طرح اس میں مکرر دعاؤں پر اس آواز کا صادر ہونا مشہود نہیں ہوا۔ بلکہ ایک ہی دفعہ اس وقت کہ جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کوئی فرشتہ غیب سے ناگہانی طور پر آواز کرتا ہے۔ برخلاف صورت دوم کے، کہ اس میں اکثر کامل دعاؤں پر جواب مشہود ہوا ہے۔ اور خواہ سو مرتبہ دعا اور سوال کرنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا جواب سو مرتبہ ہی حضرت فیاض مطلق کی طرف سے صادر ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ متواتر تجربہ خود اس خاکسار کا زمانہ کا مشاہدہ ہے۔"

(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۶)

(نوٹ) لفظ الہام یہاں بمعنی وحی استعمال کیا گیا ہے
اور حضرت بانی جماعت احمدیہ نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں لکھا
ہے۔ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہو گئی ہے کہ وہ ہمیشہ
وحی کو خواہ وحی رسالت ہو یا کسی دوسرے مومن پر وحی الہام
نازل ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔
(براہین احمدیہ حاشیہ در حاشیہ ۱ صفحہ ۲۲۰)

وحی کے مراتب

اگرچہ مکالمہ الہیہ اور وحی کے وہی طریقے ہیں جو بحوالہ قرآنی
اوپر بیان کئے جا چکے ہیں۔ مگر پھر بھی وحی کے مراتب مختلف
ہیں۔ چنانچہ بانی جماعت احمدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی
کے متعلق فرماتے ہیں۔

"جیسا کہ فطرت کی رو سے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم (باقی)
کا اعلیٰ اور ارفع مقام تھا۔ ایسا ہی خارجی طور پر بھی اعلیٰ اور
ارفع مرتبہ وحی کا اس کو عطا ہوا اور اعلیٰ اور ارفع مقام محبت
کا ملا۔ یہ وہ عالی مقام ہے کہ میں اور مسیح دونوں اس مقام تک
نہیں پہنچ سکتے۔"

(توضیح مرام صفحہ ۲۶-۲۷)

پھر قرآن کریم کی وحی کے متعلق فرماتے ہیں:-
"وہ ایسی وحی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی وحی نہیں۔ اگرچہ
رحمان کی طرف سے اس کے بعد کوئی اور وحی بھی ہو۔ اس لئے

کہ وحی رسانی یہی خدا کی تجلیات ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ خدا تعالیٰ کی تجلی جیسا کہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ ایسی کسی پر نہ پہلے ہوئی اور نہ پیچھے ہوگی۔

(اردو ترجمہ از عربی عبارت الہدیٰ والتبصرۃ لمن یریٰ ص ۱۰۰)

(مشتق باب) حضرت حارثؓ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کیفیت وحی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

أَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا (بخاری جلد اول ص ۲)

یعنی فرشتہ تمثیلی طور پر انسانی شکل میں ظاہر ہو کر مجھ سے آکر ملتا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت جبرئیل اپنی اصلی صورت میں نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ تمثیلی رنگ میں ظاہر ہوتے تھے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں جو کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں جبرئیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ اور آپ نے حضرت عائشہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ يَا عَائِشَةُ هٰذَا جِبْرِيْلُ وَهُوَ يَقْرَأُ عَلَيْكِ السَّلَامَ قَالَتْ قُلْتُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ تَرٰى مَا لَا نَرٰى

(ترمذی جلد ثانی باب فضل عائشہؓ ص ۲۲۱ مطبوعہ مصر)

اے عائشہ یہ جبرئیل ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

پھر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہا آپ وہ کچھ دیکھتے

ہیں جو ہم نہیں دیکھتے۔ یعنی جبریل آپ کو نظر آتے ہیں ہمیں نہیں آتے۔
اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت جبریل مادی آنکھ سے نظر
نہیں آیا کرتے تھے۔ بلکہ روحانی اور کشفی نگاہ سے نظر آتے تھے۔
اور اگر ظاہری یعنی مادی شکل میں حضرت جبریل آیا کرتے تو حضرت
عائشہؓ بھی انہیں دیکھ سکتی تھیں۔ مگر آپ فرماتی ہیں کہ وہ مجھے نظر
نہیں آتے۔

صرف ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریلؑ انسانی
صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور جو صحابہ
آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ انہیں بھی دکھائی دیئے لیکن ہمارے
نزدیک۔ غالباً یہ بھی کشفی نظارہ تھا جس میں صحابہؓ کو بھی شامل کر لیا
اور بعض دفعہ کشفی نظارہ میں دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ
کمال حکمت سے شامل کر لیتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت جبریل کا
نزول تمثیلی صورت میں ہوتا تھا۔ ایک روایت کی بناء پر جو احاد سے
ہے اور ظنی مرتبہ رکھتی ہے اس حقیقت کو رد نہیں کیا جا سکتا
جو کہ قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت جبریل اور دوسرے فرشتوں کے
متعلق قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے لئے
ایک مقرر مقام ہے۔ جہاں سے وہ ادھر ادھر نہیں ہو سکتے جیسا کہ
آیت وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ (الصّٰفّٰت ع ۵)
سے ظاہر ہے۔

حضرت بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں:

"محققین اسلام ہرگز اس بات کے قائل نہیں کہ ملائک اپنے شخصی وجود کے ساتھ انسانوں کی طرح پیروں سے چل کر زمین پر اترتے ہیں۔ اور یہ خیال بہ بداہت باطل بھی ہے کیونکہ اگر یہی ضرور تھا کہ ملائک اپنی اپنی خدمات کی بجا آوری کے لئے اپنے اصل وجود کے ساتھ زمین پر اترا کرتے تو پھر ان میں سے کوئی کام انجام پذیر ہونا نہایت درجہ محال تھا۔ مثلاً فرشتہ ملک الموت جو ایک سیکنڈ میں ہزارہا ایسے لوگوں کی جانیں نکالتا ہے جو مختلف بلاد و امصار میں ایک دوسرے سے ہزاروں کوسوں کے فاصلہ پر رہتے ہیں ...... کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص انسانوں کی طرح حرکت کرکے ایک طرفۃ العین لگے یا اس سے کم عرصہ میں تمام جہان گھوم کر چلا آوے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ فرشتے اپنے اصلی مقامات سے جو ان کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہیں ایک ذرہ کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے جیسا کہ خدا تعالیٰ ان کی طرف سے قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ۔ (الصّٰفّٰت ع ۵)

پس اصل بات یہ ہے کہ جس طرح آفتاب اپنے مقام پر ہے اور اس کی گرمی و روشنی زمین پر پھیل کر اپنے خواص کے موافق زمین کی ہر ایک چیز کو فائدہ پہنچاتی ہے۔

درحقیقت یہ ملائکہ عجیب مخلوقات اپنے اپنے مقام
ہی پر مستقر اور قرار گیر ہیں"
(توضیح مرام صفحہ [illegible] و صفحہ [illegible])

پھر لکھتے ہیں:-
"شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ
میں اسی مذہب کی تصدیق اور تصویب کی ہے کہ جبرائیل علیہ
السلام وحی لے کر آسمان سے اپنے اصلی وجود کے ساتھ
نہیں اترتا بلکہ وہ ہمیشہ آسمان پر اپنے قرارگاہ میں ثابت اور
قائم رہتا ہے ہاں اس کی تمثیلی صورت بقدرت حق تعالیٰ
نمودار ہو جاتی ہے اور اس کی تبلیغ وحی کرتی ہے"
(آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۱۱۹)

جبرائیل کا وحی سے تعلق

پھر آپ ظاہری نظام عالم سے اس امر کی مثالیں پیش کرکے
کہ خدا تعالیٰ کے تمام ارادے وسائط سے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً ظاہری
آنکھوں کی بصارت کے لئے آفتاب کی روشنی کی ضرورت ہے اور
آواز سننے کے لئے ہوا کی ضرورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:
"جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی وحی میں جو پاک دلوں پر نازل
ہوتی ہے جبرائیل کا تعلق جو شریعت اسلام میں ایک ضروری
مسئلہ سمجھا گیا ہے۔ اور قبول کیا گیا ہے۔ یہ تعلق بھی اسی
فلسفہ حقہ پر مبنی ہے۔ اس کا بھی ہم ذکر کر چکے ہیں اسکی تفصیل یہ ہے۔

کہ حسب قانون قدرت مذکورہ بالا یہ امر ضروری ہے کہ وحی کے
القا یا ملائکہ وحی کے عطا کرنے کے لئے بھی کوئی مخلوق
خدا تعالیٰ کے الہامی تندر روحانی ارادہ کو جنبش میں
لانے کے لئے ایک عضو کی طرح بن کر خدمت بجا لائے جیسا کہ
جسمانی ارادوں کے پورا کرنے کے لئے بجا لا رہے ہیں۔
سو وہ وہی عضو ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جبرئیل کے
نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جو بہ تبعیت حرکت اس وجود
اعظم کے سچ مچ ایک عضو کی طرح بلا توقف حرکت میں آجاتا
ہے۔ یعنی جب خدا تعالیٰ محبت کرنے والے دل کی طرف محبت
کے ساتھ رجوع کرتا ہے .... تو جبرئیل نور خدا تعالیٰ
کی کشش اور تحریک نورانیہ سے جنبش میں آجاتا ہے۔ تو معاً
اس کی ایک عکسی تصویر جس کو روح القدس کے ہی نام سے
موسوم کرنا چاہیئے محب صادق کے دل میں منقش ہو جاتی
ہے .... تب یہ قوت خدا تعالیٰ کی آواز سننے کے
لئے کان کا فائدہ بخشتی ہے۔ اور اس کے عجائبات کے
دیکھنے کے لئے آنکھوں کی قائم مقام ہو جاتی ہے .....
یہ روشنی بایں ہمہ انسانی حواس کے لئے محض ابتدائی
ہو کر عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ظاہری آنکھوں کے لئے
آفتاب کی روشنی اور ظاہری کانوں کے لئے ہوا کا ذریعہ
مقرر کیا گیا ہے۔ اور جب یہ باری تعالیٰ کا ارادہ اس طرف
متوجہ ہوتا ہے کہ اپنا کلام اپنے کسی ملہم کے دل تک پہنچاوے

تو اس کی ایک متکلمانہ حرکت سے مثلاً جبریل نور من النفاد
کے لئے ایک روشنی کی موج یا ہوا کی موج یا ملہم کی شریک
لسان کے لئے ایک حرارت کی موج پیدا ہو جاتی
ہے۔ اور اس توجہ یا اس حرارت سے بلا توقف وہ کلام
ملہم کی آنکھوں کے سامنے لکھا ہوا دکھائی دیتا ہے
یا کانوں تک اس کی آواز پہنچتی ہے۔ یا زبان پر وہ الہامی
الفاظ جاری ہوتے ہیں۔ اور روحانی حواس اور روحانی روشنی
جو قبل از الہام ایک قوت کی طرح ملتی ہے یہ دونوں قوتیں
اس لئے عطا کی جاتی ہیں "تا قبل از نزول الہام الہام کو قبول
کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے"۔

(توضیح مرام صفحہ ۷۷ و ۸۱)

اب اس اقتباس میں حضرت جبریل کے اس تعلق کی کیفیت بتائی
گئی ہے جو وحی کے نزول کے وقت اس بندے سے ہوتی ہے۔ جس
کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت
جبریلؑ انسانی صورت میں متمثل ہو کر نظر آیا کرتے تھے۔

تبصرہ

اس سوال کا جو جواب مولانا مودودی صاحب نے دیا ہے۔ اس
میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر تبصرہ کی ضرورت ہو۔

چھٹا سوال

چھٹا سوال

"آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم الانبیاء کی جو تشریح اور وضاحت کی ہے، کیا وہ مسلم عقیدہ کا ہمیشہ ضروری جزو رہی ہے؟"

مجلس عمل نے جو تشریح خاتم النبیین کی کی ہے وہ مسلم عقیدہ کی کبھی جزو نہیں رہی ان کی تشریح مع جواب درج ذیل ہے:-

(۱) مجلس عمل کہتی ہے امت محمدیہ کا ایمان ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول ہیں ان پر سلسلہ وحی اور نبوت ختم ہو چکا ہے اور قرآن مجید اللہ کی آخری وحی اور آخری الہام ہے۔

جواب:- سوال ۱۳ کے جواب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مسیح موعود نبی ہونگے اور ان پر وحی نازل ہوگی اور امت محمدیہ میں وحی والہام کے جاری رہنے کے متعلق ہم مجلس احرار کے بیان اور مجلس عمل کے بیان کے جواب میں اقوال بزرگان امت بھی ذکر کر چکے ہیں ہاں اگر وحی نبوت سے شریعی وحی اور نبوت مراد ہے تو ہم بھی اس کے انقطاع کے قائل ہیں۔ اور گذشتہ اماموں نے دراصل اسی قسم کی وحی اور نبوت کو منقطع قرار دیا ہے۔ اور یہ بالکل درست ہے کہ قرآن مجید کے بعد کوئی اور وحی نہیں آ سکتی جس میں شریعت جدیدہ نازل ہو اور اس لحاظ سے وہ بلاشبہ آخری کلام ہے۔

بطور مثال ہم چند لوگوں کے اقوال یہاں نقل کرتے ہیں:-

(۱) حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی آیت وما کان لبشر میں وحی کے جو طریق مذکور ہیں اور جن طریقوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی ہوتی تھی ان کی تفصیل بیان کرکے لکھتے ہیں:-

"وھذا کلہ موجود فی رجال اللہ من الاولیاء والذی اختص بہ النبی من ھذا دون الولی الوحی بالتشریع"

کہ یہ تمام اقسام وحی کی جو قرآن میں مذکور ہیں اور جن کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے خدا کے بندوں اولیاء اللہ میں سب پائی جاتی ہیں اور وہ وحی جو نبی سے خاص ہے اور ولی کو نہیں ہوتی وہ تشریعیت والی وحی ہے"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ [illegible])

(۲) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوبات جلد ۱ صفحہ ۹۹ میں فرماتے ہیں:-

"اعلم ایھا الاخ الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھا الخ"

ترجمہ:- اے محترم بھائی صادق جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا کبھی بالمشافہ ہوتا ہے اور یہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بھی بطور اتباع اور وراثت کے ہوجاتا ہے اور جب اس قسم کا کلام کثرت کے ساتھ ہو تو اس کا نام محدث ہوتا ہے جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور یہ القاء فی الروع اور الہام اور اس کلام سے جدا ہوتا ہے جو فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے۔ انما یخاطب بھذا الکلام الانسان الکامل۔ اور اس قسم کے کلام سے انسان کامل کو مشرف کیا جاتا ہے۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ جو وحی انبیاء علیہم السلام کو ہوتی ہے وہی بعض اکمل

امت کے بعض کامل افراد کو بھی ہوتی ہے۔

(۳۳) امام عبدالوہاب شعرانی بطور سوال و جواب لکھتے ہیں:۔

"امام غزالی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نبی اور ولی پر وحی کے اترنے میں صرف اتنا فرق ہے کہ نبی پر وحی بواسطہ فرشتہ ہوتی ہے اور ولی پر بغیر فرشتہ ہوتی ہے۔ کیا یہ درست ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ کے باب ۲۱۳ میں لکھا ہے:۔

وَالْحَقُّ اِنَّ الْکَلَامَ فِی الْفَرْقِ بَیْنَھُمَا اِنَّمَا ھُوَ فِیْ کَیْفِیَّۃِ
مَا یَنْزِلُ بِہٖ الْمَلَکُ لَا فِیْ نُزُوْلِ الْمَلَکِ۔"

امام غزالی کی یہ بات غلط ہے کیونکہ دونوں وحیوں میں فرق بلحاظ کیفیت کے ہے اس بات میں جس کو فرشتہ لیکر آتا ہے نہ کہ فرشتہ کے نزول میں۔ پھر لکھا ہے:۔

کہ ہم پیا لہام کے فرشتہ نے بہت سے علوم نازل کئے۔

پھر وحی البشائر کے متعلق جو امت میں باقی ہے فرماتے ہیں۔

"قَدْ یَکُوْنُ وَحْیُ الْبَشَائِرِ اَیْضًا بِوَاسِطَۃِ مَلَکٍ۔"

(الیواقیت الجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۷)

ترجمہ: کبھی وحی جو بشارات پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس میں حدید شرع نہیں ہوتی فرشتہ کے ذریعہ نازل ہوتا ہے۔

(الیواقیت الجواہر جلد ۲ صفحہ ۹۷)

اسی طرح مولانا روم نے مثنوی میں ایسی وحی کو جاری مانا ہے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید نے اپنی کتاب منصب امامت کے صفحہ ۱۲۰،۱۲۱ میں اولیاء سے ملائکہ کے کلام کرنے کو تسلیم کیا ہے اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی نے سوانح مولانا روم کے صفحہ ۸۱ میں لکھا ہے:۔

اگر حضورؐ خاتم النبیین کے معنے وہ سمجھتے جو آل پارٹیز کنونشن لیتی ہے تو اس کے اظہار کے لئے حضورؐ یہ فرماتے کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو بھی نبی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہر قسم کی نبوت اب بند ہو چکی ہے لیکن حضورؐ تو فرماتے ہیں کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا، تو صدیق نبی ہوتا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ومن یطع اللہ والرسول۔ الآیہ (النساء ع۹) سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں میں سے ہوں گے جن پر خدا تعالیٰ نے انعام کیا یعنی نبی صدیق، شہید اور صالح ہوں گے۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس حدیث کی صحت میں کوئی کلام نہیں الشہاب علی البیضاوی جلد ۷ صفحہ ۱۷۵ میں اس حدیث کے متعلق لکھا ہے۔

اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهَا لِاَنَّهُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَغَيْرُهُ كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ

کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کیونکہ اس حدیث کو ابن ماجہ کے علاوہ اور محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم خاتم النبیین سے کیا سمجھتے تھے؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم صحابہ کو لیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ اہل اسلام سے مخفی نہیں۔ آپ قرآن مجید اور احادیث کے سمجھنے میں بہت بڑا کمال رکھتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔

قُوْلُوْا اِنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ (رواہ ابن ابی شیبہ

(در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ نہ کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت عائشہؓ کے اس قول کے جو بھی معنی کیے جائیں وہ آل پارٹیز کنونشن کی تشریح کے خلاف جاتے ہیں۔

بزرگانِ امت خاتم النبیین سے کیا سمجھے؟

(۱) شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔

وَكَانَ مِنْ جُمْلَةِ مَا فِيْهَا تَنْزِيْلُ الشَّرَائِعِ وَخَتَمَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ التَّنْزِيْلَ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۵۶ (۵۷)

اور ان چیزوں میں سے جن کی ابتدا اور انتہا ہے شریعتوں کا اترنا بھی تھا۔ اور اللہ تعالےٰ نے شریعت کے اتارنے کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ساتھ ختم کر دیا۔ پس آپ خاتم النبیین ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ شیخ ابن عربی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے سے مراد یہ لیتے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آئیگی اور عام نبوت کے متعلق فرماتے ہیں لَيْسَتِ النُّبُوَّةُ بِأَمْرٍ زَائِدٍ عَلَى الْاَخْبَارِ الْاِلٰهِيِّ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰) کہ نبوت ان اخبارِ الٰہیہ کا نام ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں ملنے کے متعلق فرماتے ہیں۔ فَاِنَّهُ يَسْتَحِيْلُ اَنْ يَنْقَطِعَ خَبَرُ اللّٰهِ وَاَخْبَارُهُ مِنَ الْعَالَمِ اِذْ لَوِ انْقَطَعَ لَمْ يَبْقَ لِلْعَالَمِ غِذَاءٌ يَتَغَذّٰى بِهٖ فِيْ بَقَاءِ وُجُوْدِهٖ

(فتوحات [illegible])

یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینا اور اس کی اخبار غیبیہ کا وجود دنیا سے منقطع ہو جائے کیونکہ اگر منقطع ہو جائے تو عالم کیلئے کوئی روحانی غذا باقی نہ رہے جس سے وہ اپنے وجود روحانی کو باقی رکھ سکے۔

یہی خاتم النبیین کی یہ تشریح آل مسلم پارٹیز کنونشن سے مختلف ہے۔

(۲) حضرت امام عبدالکریم الجیلانی اپنی کتاب "الانسان الکامل" میں فرماتے ہیں:۔

فَانْقَطَعَ حُکْمُ نُبُوَّۃِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَہٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ لِاَنَّہٗ جَاءَ بِالْکَمَالِ وَلَمْ یَجِیْءْ اَحَدٌ بِذٰلِکَ۔

(الانسان الکامل جلد اول صفحہ ۹۸ مطبوعہ مصر)

کہ تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں کیونکہ آپ کامل شریعت لائے اور دوسرا کوئی ایسا کمال نہ لایا یہی وجہ ہے کہ آپ پر ہی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ کی آیت اتری اور کسی پر نہ اتری پھر آپ نبی کی شرعی نبی اور نبی ولی کی دو قسمیں بتا کر اور یہ ذکر کر کے کہ انبیاء الاولیاء امت میں ہوں گے۔ فرماتے ہیں:۔

کَثِیْرٌ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ کَانَتْ نُبُوَّتُہٗ نُبُوَّۃَ الْوِلَایَۃِ کَالْخِضْرِ فِیْ بَعْضِ الْاَقْوَالِ وَکَعِیْسٰی اِذَا نَزَلَ اِلَی الدُّنْیَا فَاِنَّہٗ لَا یَکُوْنُ لَہٗ نُبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ وَکَغَیْرِہٖ مِنْ اَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

(الانسان الکامل جلد ۱ صفحہ ۱۰۹)

بہت سے سابق انبیاء کی نبوت نبوت ولایت ہی تھی جیسے بعض اقوال میں حضرت خضر کے متعلق لکھا ہے اور اسی طرح عیسے علیہ السلام جب دنیا میں ظاہر ہوں گے اس وقت آپ کی نبوت تشریعی نہیں ہو گی۔ اور اسی طرح ان کے علاوہ دیگر انبیاء بنی اسرائیل بھی تھے۔

اور نبی ولی کے مرتبہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

کُلُّ نَبِیٍّ وَلَایَتُہٗ اَفْضَلُ مِنَ الْوَلِیِّ مُطْلَقًا وَمِنْ ثَمَّ قِیْلَ بِدَایَۃُ النَّبِیِّ نِہَایَۃُ الْوَلِیِّ۔

یعنی ہر نبی ولایت ولی سے مطلقاً افضل ہے۔ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ نبی کی ابتداء

دل کے انتہائی مقام سے شروع ہوتی ہے۔
گو نوشن تو ہر قسم کی نبوت کو بند قرار دیتا ہے لیکن امام عبد الکریم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
نبوت ولایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری مانتے ہیں۔

(۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
"پس حصول کمالات نبوت مر تابعان را بطریق تبعیت و وراثت بعد از
بعثت خاتم الرسل علیہ وعلی جمیع الانبیاء والرسل علیہم الصلوٰۃ والتحیات
منافی خاتمیت او نیست وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ"

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۷۱ جلد اول صفحہ ۴۳۲
مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

یعنی خاتم الرسل کی بعثت کے بعد کمالات نبوت کا حصول تابعین کے لئے بطریق
وراثت آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں۔ لہٰذا اے مخاطب تو شک کرنے والوں
سے نہ بن۔

(۴) حضرت مرزا مظہر جان جاناں فرماتے ہیں:۔
"ہیچ کمال غیر از نبوت بالاصالت ختم نگردیدہ و در مبداء فیاض بخل و دریغ
ممکن نیست"
(مقامات مظہری صفحہ ۸۸)

کہ کوئی کمال بجز نبوت بالاصالت کے ختم نہیں ہوا۔ اور مبداء فیاض
سے بخل ممکن نہیں۔"

(۵) مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں:۔
فکر کن در راہ نیکو خدمتے تا نبوت یابی اندر امتے
(مثنوی دفتر پنجم صفحہ ۴۲)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:۔

بازگشته از دم او هر دو باب — در دو عالم دعوت او مستجاب
بهر این خاتم شد است او که بجود — مثل او نے بود نے خواهند بود
چونکه در صنعت برد استاد دست — نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

(الہام منظوم دفتر ششم صفحہ ۱۹، مطبوعہ ۱۹۳۱ء فیروز پرنٹنگ پریس لاہور)

یعنی روحانی فیض کی سخاوت کی وجہ سے آپ خاتم ہوئے نہ آپ کی مثل پہلے کوئی کامل انسان اور کامل سخی روحانیت کا فیضان پہنچانے میں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔

(۱۲) امام ملا علی قاری حنفیوں کے ایک بلند پایہ امام گذرے ہیں اپنی کتاب موضوعات کبیر صفحہ ۵۹ میں لو عاش ابراہیم لکان صدیقا نبیا پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اگر ابراہیم زندہ رہتے اور نبی ہو جاتے۔ اسی طرح اگر حضرت عمرؓ نبی ہو جاتے تو وہ دونوں آپ کے تابعین میں سے ہوتے جیسے کہ عیسیٰؑ اور خضرؑ اور الیاسؑ ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِّنْ اُمَّتِہٖ"

پس ان کا یعنی حضرت عمرؓ اور حضرت ابراہیمؓ کا نبی ہونا اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین کے خلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپ کی امت سے نہ ہو اور آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے نبی کا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع اور امتی ہو آپ کے بعد آنا یا پیدا ہونا خاتم النبیین کے منافی اور متناقض

نہیں ہے۔

خاتم النبیین کی یہ تشریح تھا اور یہ تھا جو حضرت امام ملا علی قاری کانے کی ہے اور پارٹیز کنونشن کی تشریح و توضیح سے بالکل مختلف ہے۔

(۷) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں :-

"بالفرض اگر بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا" تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

(۸) اسی طرح مولانا عبدالحی فرنگی محل لکھنوی اپنی کتاب "دافع الوسواس فی اثر ابن عباس" میں فرماتے ہیں۔

"بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں البتہ صاحب شرع جدید ہونا ممتنع ہے"

(دافع الوسواس فی اثر ابن عباس صفحہ ۱۲ جدید ایڈیشن)

ان حوالجات سے ظاہر ہے کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم النبیین کی جو تشریح و توضیح پیش کی ہے ہر زمانہ کے علماء ربانی اس کے خلاف فرماتے رہے ہیں اگر کنونشن والی تشریح مسلم عقیدہ کا لازمی جزو ہوتی تو ان اکابرین ملت اور بزرگانِ امت کو عقیدہ کی لازمی جزو کا انکار کرنے کی وجہ سے ملت اسلامیہ سے خارج قرار دینا پڑتا لیکن چونکہ وہاں حضرات کو اپنا بزرگ تسلیم کرنی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ وہ خود بھی اپنی تشریح و توضیح کو مسلم عقیدہ کا لازمی جزو نہیں سمجھتی ؛

اجماعی عقیدہ

پھر مجلس عمل نے اپنی پیش کردہ خاتم النبیین کی تشریح کے متعلق کہا ہے کہ امت محمدیہ کا یہ ایمان ہے اور اسی طرح قاضی عیاض کا حوالہ پیش کیا ہے کہ امت نے اس پر اجماع کیا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ان معنوں پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا کبھی اجماع نہیں ہوا۔ اگر اجماع ہے تو صرف اس پر ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نئی شریعت لیکر نہیں آئے گا۔ کیونکہ قرآن مجید کے آنے سے شریعت مکمل ہو چکی ہے اور اس پر زیادتی ممکن نہیں۔

لانبیّ بعدی:۔ احادیث میں جو لانبی بعدی یا فلا رسول بعدی ولا نبی کے الفاظ آئے ہیں ان کے اس مفہوم پر بھی علماء کا اتفاق نہیں ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مطلقاً کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کا یہی مفہوم لیا گیا ہے کہ کوئی نبی ناسخ شریعت محمدیہ نہیں آئے گا۔ مثلاً

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:۔

"نبوت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہو گئی وہ تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت پس اب کوئی ایسی شریعت نہیں ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور نہ اب آپ کی شریعت میں کوئی حکم زائد ہوگا۔ اور یہی معنی حضور علیہ السلام کے قول اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ کے ہیں کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہ ہوگا جو میری شریعت کے مخالف ہو۔ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ

حکم شریعت یعنی کہ جب بھی ہوگا میری شریعت کے ماتحت ہوگا۔ ولا رسول یعنی اب نہ کوئی ایسا رسول ہے جو مخلوق انسان کی طرف رسول ہوگا۔ جو نئی شریعت لائے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے۔ یہ وہ مقام ہے جس کا دروازہ بند ہو چکا ہے لیکن مقام نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اس میں کوئی خلاف نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی اور رسول ہیں اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ وہ آخری زمانہ میں آئیں گے اور ہماری شریعت کے ساتھ حکم کریں گے۔

"...... وَنُبُوَّةُ عِيسٰى ثَابِتَةٌ لَهُ مُحَقَّقَةٌ فَهٰذَا نَبِيٌّ وَرَسُولٌ قَدْ ظَهَرَ بَعْدَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ الصَّادِقُ فِي قَوْلِهِ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَعَلِمْنَا قَطْعًا أَنَّهُ يُرِيدُ لَا نُبُوَّةَ التَّشْرِيعِ خَاصَّةً "

اور عیسیٰ کی نبوت ثابت اور محقق ہے پس وہ نبی اور رسول ہوں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظاہر ہوں گے اور آنحضرت اپنے اس فرمان میں بھی صادق ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ تو ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کی مراد صرف نبوت تشریعی سے ہے۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

(۱) اسی طرح امام محمد طاہر رحمۃ اللہ اپنی کتاب تکملہ مجمع البحار میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کے قول لا نبی بعدی سے ارادہ لا نبی ینسخ شرعہ) یہ مراد لیا ہے کہ آپ کے بعد ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔ (تکملہ مجمع البحار صفحہ ۸۵)

(۲) نواب محمد صدیق حسن خان صاحب اپنی کتاب اقتراب الساعۃ میں حضرت امام ملا علی قاری کا قول نقل فرماتے ہیں۔

" حدیث لا وحی بعد موتی باطل ہے اور لا نبی بعدی آیا ہے اس کے معنی

نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہ لاوے گا۔

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲)

سلف صالحین کی ان تشریحات کے ہوتے ہوئے آل مسلم پارٹیز کا یہ کہنا کہ ان کی تشریح پر امت کا اجماع ہے کس قدر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

اجماع کے متعلق بحث

(۱) مزید براں اجماع کے حجت ہونے کے بارہ میں بھی امت کا اجماع نہیں تو یہ شرعی حجت کیونکر ہو سکتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

لَوْ اَنْكَرَ وُجُوْدَ اَبِیْ بَكْرٍ وَخِلَافَتَهٗ لَمْ يَلْزَمْ تَكْفِيْرُهٗ لِاَنَّهٗ لَيْسَ تَكْذِيْبًا فِیْ اَصْلٍ مِنْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ مِمَّا يَجِبُ التَّصْدِيْقُ بِهٖ بِخِلَافِ الْحَجِّ وَالصَّلٰوةِ وَاَرْكَانِ الْاِسْلَامِ فَلَسْنَا نُكَفِّرُهٗ بِمُخَالَفَةِ الْاِجْمَاعِ فَاِنَّ لَنَا نَظَرًا فِیْ تَكْفِيْرِ النَّظَّامِ الْمُنْكِرِ لِاَصْلِ الْاِجْمَاعِ لِاَنَّ الشُّبْهَةَ كَثِيْرَةٌ فِیْ كَوْنِ الْاِجْمَاعِ حُجَّةً قَاطِعَةً۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۱۳)

اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کے وجود اور آپ کی خلافت کا منکر ہو تو اس کی تکفیر لازم نہیں ہوگی کیونکہ اس امر میں اصول دین میں سے کسی اصل کی جس کی تصدیق ضروری ہے تکذیب نہیں پائی گئی بخلاف حج، نماز اور دیگر ارکان اسلام کے ہم صرف اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے۔ کیونکہ ہمیں النظام کی تکفیر میں بھی تامل ہے جو سرے سے اجماع کا ہی منکر ہے کیونکہ اجماع کے قطعی دلیل ہونے

میں بہت سے شبہات ہیں۔

(۲) اور صحابہؓ کے زمانہ کے بعد بعض نے اجماع کو بالکل ناممکن قرار دیا ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ مَنِ ادَّعَی الْاِجْمَاعَ فَهُوَ كَاذِبٌ۔ (مسلم الثبوت مع شرح الشیخ محب اللہ ابن عبد الشکور جلد ۲ صفحہ ۲۱۷ مطبوعہ بولاق مصر)
یعنی جو اجماع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کے بعد جبکہ علماء مشرق و مغرب میں پھیل گئے سب کا کسی مسئلہ پر اجماع ہونا ناممکن تھا اس لئے اس کا دعویٰ کرنا بھی باطل ہے۔

(۳) امام ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم متوفی ۴۵۶ھ فرماتے ہیں:-
"وَالْاِجْمَاعُ هُوَ مَا تُيُقِّنَ اَنَّ جَمِيْعَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفُوْهُ وَقَالُوْا بِهٖ وَلَمْ يَخْتَلِفْ فِيْهِ اَحَدٌ الخ"
کہ اجماع یہ ہے کہ بدرجہ الیقین یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلعم کے تمام صحابہ اسے جانتے تھے اور انہوں نے اسے بیان بھی کیا اور اس کے بارہ میں کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا جیسے ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ وہ تمام آنحضرتؐ کے ساتھ پانچ نمازیں پڑھتے تھے اور جو شخص اس کے علاوہ کسی اجماع کا دعویٰ کرتا ہے یا خیال کرتا ہے کہ صحابہ کے بعد بھی کسی امر پر ایسا اجماع ہوا تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ اجماع کیلئے سب مومنین کے لئے اجماع کی شرط ہے اور صحابہؓ کے زمانہ کے بعد یہ ناممکن تھا۔"
(المحلی جلد ۱ صفحہ ۵۴ مطبوعہ مصر)

(۴) پھر صحابہؓ کے بعد اجماع کے منکر کو کسی نے کافر نہیں کہا۔ ملا جیون اپنی کتاب نور الانوار شرح المنار میں لکھتے ہیں:-
اِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ نَصًّا مِثْلَ اَنْ يَّقُوْلُوْا جَمِيْعًا اَجْمَعْنَا عَلٰى كَذَا فَاِنَّهٗ مِثْلُ الْاٰيَةِ وَالْخَبَرِ الْمُتَوَاتِرِ حَتّٰى يُكَفَّرَ جَاحِدُهٗ وَمِنْهَا الْاِجْمَاعُ

عَلٰى خِلَافَةِ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ثُمَّ الَّذِيْ نَصَّ الْبَعْضُ وَسَكَتَ الْبَاقُوْنَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَهُوَ الْمُسَمّٰى بِالْإِجْمَاعِ السُّكُوْتِيِّ وَلَا يَكْفُرُ جَاحِدُهٗ۔

(نور الانوار شرح المنار صفحہ ۱۸۹)

کہ سب سے زیادہ قوی اجماع صحابہؓ کا ہے کہ وہ سب متفق ہو کر کہیں کہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے تو ایسا اجماع آیت اور خبر متواترہ کی طرح یقینی ہے اور اس کا منکر کافر ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت پر اسی قسم کا اجماع ہوا۔ اور دوسری قسم اجماع کی یہ ہے کہ بعض صحابہؓ نے اتفاق کیا لیکن دوسرے خاموش رہے تو اس کا نام اجماع سکوتی ہے اور اس کا منکر کافر نہیں۔

کیا آل مسلم پارٹیز کنونشن یہ ثابت کر سکتی ہے کہ صحابہؓ نے یا ان کے بعد تابعین یا تبع تابعین نے اکٹھے ہو کر ایسا کہا ہے کہ ہم نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اس لئے آپ کے بعد کوئی نیا یا پرانا یا امتی نبی نہیں آئے گا۔ جب کوئی ایسا اجماع ہی ثابت نہیں تو پھر اس کا یہ کہنا کہ ہماری تشریح پر امت کا اجماع ہے کس طرح درست ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ ہم اس تشریح کے مخالف مختلف زمانوں کے علماء کے قلم سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں جو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ احاد ہیں اور شرح فقہ اکبر میں امام ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

إِنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي الْعَقَائِدِ الْأَدِلَّةُ الْيَقِيْنِيَّةُ وَأَحَادِيْثُ الْآحَادِ لَوْ ثَبَتَتْ إِنَّمَا تَكُوْنُ ظَنِّيَّةً۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صفحہ ۹۱)

کہ عقائد میں ادلہ یقینیہ کا ہونا ضروری ہے اور احاد حدیثیں اگر صحیح بھی ثابت ہو جائیں تب بھی وہ ظنی ہیں۔

(۵) اللہ شیخ محب اللہ بن عبد الشکور نے اپنی کتاب مسلم الثبوت میں تصریح کی ہے۔

اَمَّا فِی الْمُسْتَقْبِلَاتِ کَاَشْرَاطِ السَّاعَةِ وَاُمُوْرِ الْآخِرَةِ فَلَا (اجماع) عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ لِاَنَّ الْغَیْبَ لَا دَخْلَ فِیْهِ لِلْاِجْتِهَادِ"

(مسلّم الثبوت مع شرح صفحہ ۲۴۶)

کہ جو باتیں مستقبل سے تعلق رکھتی ہیں جیسا کہ اشراط الساعۃ اور امور آخرت۔ تو ان پر حنفیوں کے نزدیک اجماع نہیں۔ کیونکہ ان باتوں میں جو غیب ہیں، اجتہاد و رائے کو کوئی دخل نہیں ہے اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے اور اس کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں اور یہ سوال کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آئیگا یا نہیں اخبار غیبیہ سے متعلق ہے جس میں رائے یا اجتہاد کو کوئی دخل نہیں اس لئے اس میں اجماع کو بطور ثبوت پیش کرنا درست نہیں۔

خلاصہ:- خلاصہ کلام یہ کہ آل مسلم پارٹیز کنونشن نے خاتم النبیینؐ کی جو تشریح کی ہے وہ کبھی مسلم عقیدہ کی لازمی جزو نہیں رہی۔ کیونکہ:-

(الف) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کئی بزرگان سلف نے خاتم النبیینؐ کی جو تشریح کی ہے وہ آل مسلم پارٹیز کنونشن کی تشریح سے [illegible]

(ب) کنونشن کی مذکورہ تشریح کو اجماعی عقیدہ قرار دینا قطعاً غلط اور خلاف [illegible] کیونکہ اس تشریح کے اسلامی عقیدہ کے لازمی جزو ہونے پر کبھی بھی اجماع امت نہیں ہوا۔ بلکہ برخلاف اس کے یہاں تک لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی خاتم النبیینؐ کی یہ تاویل کرے کہ اس سے محض اولوالعزم رسولوں کو ختم کرنا مراد ہے۔ تو ایسی تاویل کرنے والا لا نبیّ بعدی اور خاتم النبیینؐ کا منکر نہیں ہوگا اور اس پر ایسا حکم [illegible] نہیں ہوگی۔ کہ وہ اجماع کا منکر ہے۔ (الاقتصاد صفحہ ۱۱۴)

(ج) اور بالفرض اگر اجماع ہوتا بھی تو ایسے اجماع کے انکار کی بناء پر تکفیر جائز نہ ہوتی کیونکہ

اجماع کے حجت قطعی ہونے پر امت کا اجماع نہیں۔ بلکہ اس کے حجت قطعی ہونے سے انکار کیا گیا ہے جیسا کہ حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے ظاہر ہے پس آل مسلم پارٹیز کنونشن کی خاتم النبیین کی تشریح کسی زمانہ میں بھی مسلم عقیدہ کا لازمی جزو نہیں رہی۔ مولانا مودودی صاحب نے اپنے رسالہ قتل مرتد میں لکھا ہے کہ قتل مرتد مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور پھر یہ بھی لکھا ہے کہ مولانا عمادی صاحب باوجود مسلمان ہونے کے اس عقیدہ کے منکر تھے!!

(مرتد کی سزا اور قانون بار دوم صفحہ ۴۷)

کیا ختم نبوت کو مسلم عقیدہ کا لازمی جزو بنا دیا گیا؟

مسئلہ ختم نبوت سے مراد اگر ایمانیات میں یعنی وہ چیز جو ارکان اسلام کہلاتی ہیں اسلام کے اساسی امور ہیں جو بنیادی اسلام کہلاتی ہیں تو جواب نفی میں ہے اس لئے کہ :-

(الف) (۱) پانچ چیزیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے جنہیں ارکان ایمان یا اصول ایمان کہا جاتا ہے وہ از روئے قرآن مجید و احادیث مندرجہ ذیل ہیں :-

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) اس کے فرشتوں پر ایمان (۳) اس کی کتابوں پر ایمان (۴) اس کے رسولوں پر ایمان (۵) آخرت یا بعث بعد الموت پر ایمان (۶) بعض روایات میں ایمان بالقدر آیا ہے۔

اور اسلام کے پانچ اساسی ارکان کلمہ شہادت پڑھنا، نماز کا قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوٰۃ دینا اور بشرط استطاعت حج کرنا ہیں۔ پس ایمانیات میں حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید پر ایمان شامل ہے۔

ثبوت :- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے :-

"وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ

وَالنَّبِیّٖنَ " (البقرہ رکوع ۲۲)

ترجمہ: کامل نیکی اسی کی ہے جو ایمان لائے اللہ پر اور روز آخر پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔

دوسری آیت:۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ۔ الآیۃ

(البقرۃ ع ۴۰)

ترجمہ:۔ کہ رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر ایمان لایا جو اس کی طرف اس کے رب نے اتارا اور مومن بھی سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، ہم خدا کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے (کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں)

۲:۔ حدیث:۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ ایمان کیا ہے آنحضرت نے فرمایا! کہ ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے (۱) اللہ تعالیٰ پر (۲) اس کے فرشتوں پر (۳) اس کی کتابوں پر (۴) اس کے رسولوں پر (۵) اور بعث بعد الموت پر۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۲ مطبوعہ مطبع اصح المطابع دہلی)

(۲) آنحضرت فرماتے ہیں:۔

بنی الاسلام علی خمس۔ یعنی کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر رکھی گئی۔ اس امر کی شہادت کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ زکوٰۃ دینا اور بشرط استطاعت بیت اللہ کا حج کرنا۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۶ و صفحہ ۷)

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں آیت خاتم النبیین کے نزول سے قبل اور اس کے نزول کے بعد اسلام میں داخل ہونے کے لئے صرف کلمہ شہادتین کا اعلان کافی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ کبھی شامل نہیں کیا گیا۔ اور

اعمال ہیں سے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اعمال مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے رہے۔

ثبوت ۱۔ آیت خاتم النبیین کے نزول سے قبل

(۱) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کرنے سے قبل ایمان لائے انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔
"اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ"
(بخاری جلد ا صفحہ ۵۴۴)

(۲) حضرت عمرؓ بھی ہجرت سے پہلے ہی ایمان لائے ہیں جب اسلام لانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف گئے۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے ابن خطاب مسلمان ہو جاؤ تو عمرؓ نے کہا۔
"اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ"
(بخاری جلد ا صفحہ ۵۴۴)
اور صحابہؓ نے جو ارقم کے گھر میں اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

(۳) ہجرت کے بعد یہود میں سے جب عبداللہ بن سلام مسلمان ہونے کے لئے آئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ پہلے میرے متعلق یہود سے دریافت فرمالیں۔ دریافت کرنے پر یہود نے جواب دیا کہ وہ تو ہم میں ایک ہی اچھا اور بزرگ اور شریف ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو انہوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اتنا کہنے سے پہلے اس پر عبداللہ بن سلام باہر نکلے اور کہا۔
اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ۔

تو یہود نے یہ کہنا شروع کیا یہ تو ہم میں سے برا شخص ہے۔

(بخاری جلد اول ص ۵۶۱)

آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد

(۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد آیا اور عرض کی کہ آپ ہمیں فیصلہ کن بات بتا دیں جو ہم دوسروں کو بتا دیں اور خود بھی اس کے ذریعہ جنتی بن سکیں آپ نے فرمایا۔ وہ بات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہے پھر فرمایا جانتے ہو کہ اللہ تعالےٰ کے ایک ہونے پر ایمان سے کیا مراد ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا۔

"شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس" (بخاری جلد ۱ ص ۱۳)

یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔ نماز قائم کرنا زکوٰۃ دینا رمضان کے روزے رکھنا اور غنیمت سے پانچواں حصہ دینا۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف ایک مہم بھیجی وہ ثمامہ بن اثال کو پکڑ لائے اور مدینہ لا کر اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی گفتگو ہوئی آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ غسل کر کے آیا اور اپنے مسلمان ہونے کا ان الفاظ میں اعلان کیا۔

"اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ"

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۷)

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ وہاں اہل کتاب بھی ہوں گے۔ [illegible]

فادعهم الی ان یشهدوا ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ تو انہیں اس طرف دعوت دے کہ وہ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور پھر فرمایا فان ھم اطاعوا لک بذلک فاخبرھم ان اللّٰہ قد فرض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ۔" (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۲)
اگر وہ تیری بات مان لیں تو وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر انہیں یہ بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے عرب لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم ہے "حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی دماءھم واموالھم الا بحق الاسلام وحسابھم علی اللّٰہ۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۸)
یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں جب ایسا کریں تو ان کے خون اور مال محفوظ ہوں گے اور یہ حق انہیں اسلام کے اظہار کی وجہ سے ہوگا۔ اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔

(۵) "تاریخی واقعہ" اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک مہم پر بھیجا جب ہم نے دشمن کو شکست دے دی تو میں نے اور ایک انصاری نے ان میں سے ایک شخص کو گھیر لیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا انصاری تو اسے مارنے سے رک گیا لیکن میں نے اسے نیزہ سے قتل کر دیا جب ہم واپس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا "اسامہ کیا تو نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا" میں نے کہا "اس نے ڈر کر اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایسا کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فقرہ کو اتنی دفعہ دہرایا کہ میں نے اپنے دل میں کہا کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۲)

(۶) اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ سے فرمایا کہ کوئی شخص نہیں جو سچے دل سے
کلمہ شہادتین نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کر دیتا ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۴)
ان حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہونے
کیلئے کبھی یہ اقرار نہیں لیا جاتا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ صرف آپ کی
رسالت کا اقرار لیا جاتا تھا۔

(ج) آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد بھی آپ نے اپنا منصب رسول اللہ ہی
بتایا اور اپنے نام کے ساتھ خطوط یا معاہدات یا اعلانات میں (جیسا کہ آئندہ نمبروں
تفصیل سے آ رہا ہے) رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز
اذان میں صرف رسول اللہ ہی رکھا۔ اس کے ساتھ کبھی خاتم النبیین شامل نہیں
کیا گیا۔ گذشتہ ۱۴ سو سال میں اشہد ان محمدا خاتم النبیین کلمہ میں یا اذان میں کبھی
نہیں کہا گیا نیز شیعہ صاحبان نے اذان میں ان علیا ولی اللہ کے الفاظ زائد کئے لیکن خاتم النبیین
کے الفاظ انہوں نے بھی کبھی زائد نہیں کئے۔

ثبوت:-

بادشاہوں کے نام خطوط

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ میں بادشاہوں کو دعوت اسلام دیتے ہوئے
ان کے نام خطوط لکھے ان میں آپ نے "من محمد عبد اللہ و رسولہ"
لکھا، خاتم النبیین ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) آپ سے کہا گیا کہ بادشاہ وہی خط قبول کرتے ہیں جس پر مہر ثبت ہو تو آپ نے
مہر بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ کے لفظ کندہ کروائے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۵)

(۳) معاہدہ حدیبیہ ۶ھ میں لکھا گیا حضرت علی آپ کی طرف سے لکھنے والے

تھے۔ آپ نے کہا :- ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ ؐ

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

(۴) پانچ بنائے اسلام میں بھی آپؐ نے شہادتین میں خاتم النبیین نہیں بلکہ محمد رسول اللہ کے الفاظ رکھے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۰)

(۵) نماز میں التحیات یا تشہد میں بھی الفاظ رکھے اشہد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۸)

(۶) اذان اور اقامت میں بھی اشہد ان محمداً رسول اللہ ہی رکھا اور کبھی خاتم النبیین کے الفاظ اس کے ساتھ نہیں ملائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل جزو عقیدہ کی آپؐ کی رسالت تھی نہ کہ ختم نبوت؟

(۷) **بیعت کے الفاظ** :- قرآن مجید میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے کا ذکر ہے (سورۃ ممتحنہ ع ۲) اور اسی طرح سعید بن عبادہ نے بیعت عقبہ کا ذکر کرتے ہوئے بیعت کے الفاظ کا بھی ذکر کیا ہے۔ (بخاری جلد ۱ صفحہ ۷)

اسی طرح جریر بن عبد اللہ البجلی نے بھی بیعت کرنے کا ذکر کیا ہے۔

(بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳)

ان کے علاوہ اور حدیثوں میں بھی عورتوں اور مردوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے مگر کسی جگہ یہ ذکر نہیں کہ آپؐ نے بیعت لیتے وقت اپنے خاتم النبیین ہونے کا بھی عہد لیا ہو۔

(ھ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی یہی تعامل رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ آپ کے خلیفہ ہوئے تو آپ نے خلیفۂ رسولؐ ہونے کی حیثیت سے مرتدین کے نام خط لکھا اس میں مسلمان اور کافر کی یہ تعریف بھی کی گئی ہے مضمون خط یہ ہے :-

"میں تمہارے سامنے معبود حقیقی کی جس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے تعریف کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ واحد، لاشریک ہے اور محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کا جو پیام ہمارے نبی لائے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں اور جو اس سے انکار کرے اسے کافر سمجھتے ہیں۔"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد ۱ حصہ چہارم صفحہ ۸۰، مطبعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد، دکن

اس خط میں حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان ہونے کیلئے لا الہ الا اللہ محمد رسول کا اقرار کرنا لکھا ہے اور جو اس کا انکار کرے اسے کافر قرار دیا ہے۔

(۲) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر قبیلہ عبد القیس بھی مرتد ہو گیا اور یہ کہنا شروع کیا کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے۔ جارودؓ بن معلیٰ اسی قبیلہ کے تھے اپنے قبیلہ کو جمع کر کے ان سے آنحضرتؐ سے پہلے کے انبیاء کی وفات تسلیم کروا کے کہا۔

محمد صلے اللہ علیہ وسلم بھی انتقال فرما گئے جس طرح سابقہ انبیاء دنیا سے اُٹھ گئے ہیں اعلان کرتا ہوں لا الٰہ الا اللہ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ ان کی قوم نے کہا ہم بھی شہادت دیتے ہیں کہ سوا اللہ کے کوئی حقیقی معبود نہیں اور بیشک محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اس طرح وہ لوگ اسلام پر ثابت قدم رہے۔"

(تاریخ طبری جلد اول صفحہ ۹۴-۹۵ حصہ چہارم)

اور صفحہ ۹۶ پر لکھا ہے کہ جارودؓ نے یہ اعلان کیا کہ:-

سوائے اللہ کے اور کوئی معبود نہیں ہے اور میں اعلان کرتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمام اُن لوگوں کو جو اس کا اقرار نہیں کرتے کافر قرار دیتا ہوں۔"

(۳) مسیلمہ کذاب کے دعویٰ نبوت کے بعد جب اس کا قبیلہ اس پر ایمان لایا۔ اور باغی ہوگیا تو حضرت ابوبکرؓ نے خالدؓ بن ولید کو ان کے مقابلہ کے لیے لشکر دے کر بھیجا آپ نے حضرت خالدؓ ابن ولید کو یہ ہدایت دی کہ ان مرتدین پر حملہ کرنے سے پہلے ان کے گاؤں سے باہر اذان دینا اگر وہ بھی اذان اور اقامت کہیں۔ تو ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

(تاریخ طبری مترجم اردو جلد ا حصہ چہارم ص۲۷)

اسلام کی علامت اذان ہے (مرتد کی سزا اسلامی قانون میں مصنفہ مولانا مودودی صاحب بار دوم ص۲۷ بحوالہ البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ صفحہ ۳۲۷ مؤلفہ حافظ ابن کثیر)

(۴) حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بھی یہی اعلان کیا:۔

مَنْ اَمَّ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيحَتَنَا وَآمَنَ بِنَبِيِّنَا وَشَهِدَ شَهَادَتَنَا وَدَخَلَ فِي دِينِنَا اَجْرَيْنَا عَلَيْهِ حُكْمَ الْقُرْآنِ وَحُدُودَ الْاِسْلَامِ لَيْسَ لِاَحَدٍ عَلٰى اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بِالتَّقْوٰى۔ (فروع کافی جلد ۳ کتاب الردۃ ص [illegible])

"جو ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے اور ہمارے نبی پر ایمان لائے اور ہماری شہادت دے اور ہمارے دین میں داخل ہو تو ان پر ہم قرآن کے اور اسلامی حدود کا اجرا کریں گے اور ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں رہے گی مگر تقویٰ کی بنا پر۔"

ان حوالہ جات سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی خلفاء راشدین [illegible] اسلام میں داخل سمجھے جاتے ہیں جن لوگوں نے [illegible] کا [illegible] ان کے [illegible] حضرت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت [illegible] قرار دیا ہے۔

پھر لکھتے ہیں:-

"چونکہ بد عقیدہ لوگ (بت پرستوں کے) بھی خدا کی وحدانیت اور رسولوں کی رسالت کے قائل ہیں۔ اس لیے شریعت اسلام ان سے متعلق ہوتی ہے۔ بایں کہو کہ ان کی شرعی اہلیت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔" (اصول فقہ اسلام صفحہ ۳۶۹)

(۲) کئی مقدمات جوڈیشل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا ایک مسلمان کا کسی ایسے فرقۂ اسلام میں شامل ہونا حقوق اسلامی سے محروم کر دیتا ہے۔ جس پہ علماء وقت نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ انگریزی کورٹوں اور پریوی کونسل لندن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ایک مسلمان کہلانے والے کو کوئی شخص دائرہ اسلام سے خارج کرنے کا حق نہیں رکھتا۔"

انڈین لاء رپورٹ الہ آباد جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۴ نیز ملاحظہ ہوں - انڈین لاء رپورٹ پٹنہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ و آل انڈیا رپورٹر ۱۹۳۲ء الہ آباد صفحہ ۲۸۴ و انڈین لاء رپورٹ مدراس جلد ۵۴ صفحہ ۹۸۶ و آل انڈیا رپورٹر لاہور ۱۹۳۳ء صفحہ ۵۶۷ و آل انڈیا رپورٹر پشاور ۱۹۳۶ء صفحہ ۶۵ -

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے زمانہ پر غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل بنیادی چیز جس کے ماننے سے انسان اسلام میں داخل سمجھا جاتا ہے اور جس کے انکار سے کوئی دائرۂ اسلام سے بالکل باہر یعنی غیر مسلم ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالےٰ کی وحدانیت اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے۔ ختم نبوت کے اقرار کو ایمانیات (یعنی عقائد) کا کسی زمانہ میں جزو نہیں مانا گیا۔

(ز) خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام ہے

خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ایسا ہی صفاتی نام ہے جیسا کہ آپ کے دوسرے نام شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر وغیرہ قرآن مجید میں اور الماحی، عاقب وغیرہ حدیثوں میں ذکر ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری نے بھی اسے ایک صفاتی نام سمجھا ہے اور باب اسماء النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(ح) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا کیوں ضروری ہے

مذکورہ بالا بحث سے یہ ظاہر ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ "مسلم عقیدہ" کی اس حیثیت سے ہرگز لازمی جز نہیں رہا کہ اسے ارکان ایمان یا ارکان اسلام میں داخل کیا گیا ہو۔ بلکہ اصل چیز مسلم عقیدہ کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے پر ایمان ہے اور خاتم النبیین کے الفاظ چونکہ قرآن مجید میں آئے ہیں اس لیے ان پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ قرآن مجید میں دوسری بیان شدہ باتوں پر ایمان لانا۔

اور لیکن ایمان کے لئے نص پر ایمان لانا ضروری سمجھا جاتا ہے نہ تفسیر اور تاویل کی بنا پر یہ بعض الفاظ نص کی رد سے متعلق ہوں کسی کو نص کا مکذب قرار دے کر اسے کافر نہیں کہا جا سکتا۔ مثلاً

(۱) شرح فقہ اکبر مطبوعہ حیدرآباد دکن میں لکھا ہے:-

"اگر دل میں یہ شبہ ہو کہ معلوم نہیں کہ خدا نے ہم پر نماز، روزہ اور زکوۃ فرض کی ہے تو کافر ہوگا لیکن اگر یہ شبہ کرے کہ یہ آیت اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ پر ایمان

لانا ... کی تکفیر اور تاویل نہیں جانتا تو کافر نہیں ہوتا۔

"لانہ ... مصدق بالتنزیل وان کان مخطئاً فی التاویل۔"

کیونکہ وہ ... تنزیل کا مصدق ہے۔ اگرچہ تفسیر کرنے میں وہ غلطی پر ہے۔

(۲) امام غزالی کا مذہب:- حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی قدس سرہ کو جو معتزلہ اور مشبہ اور باقی تمام فرقوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ سچ کہتے ہیں اور جھوٹ کو جائز نہیں سمجھتے لیکن یہ تاویل سے کام لیتے ہیں۔ اور تاویل کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں پس ان لوگوں کا معاملہ اجتہاد کی طرح ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ان کی تکفیر سے حتی الامکان احتراز کیا جائے اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں۔

"ودَلِیلُ المَنْعِ مِنْ تَکْفِیرِهِمْ اَنَّ الثَّابِتَ عِنْدَنَا بِالنَّصِّ تَکْفِیرُ الْمُکَذِّبِ لِلرَّسُولِ وَهٰؤُلَاءِ لَیْسُوْا مُکَذِّبِیْنَ اَصْلًا وَلَمْ یَثْبُتْ لَنَا اَنَّ الْخَطَأَ فِی التَّاوِیلِ مُوْجِبٌ لِلتَّکْفِیْرِ فَلَا بُدَّ مِنْ دَلِیْلٍ عَلَیْهِ وَثَبَتَ اَنَّ الْعِصْمَةَ مُسْتَفَادَةٌ مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَطْعًا فَلَا یُدْفَعُ ذٰلِکَ اِلَّا بِقَاطِعٍ وَهٰذَا الْقَدْرُ کَافٍ فِی التَّنْبِیْهِ عَلٰی اَنَّ اِسْرَافَ مَنْ بَالَغَ فِی التَّکْفِیْرِ لَیْسَ عَنْ بُرْهَانٍ فَاِنَّ الْبُرْهَانَ اِمَّا اَصْلٌ اَوْ قِیَاسٌ عَلَی الْاَصْلِ وَالْاَصْلُ هُوَ التَّکْذِیْبُ الصَّرِیْحُ وَمَنْ لَیْسَ بِمُکَذِّبٍ فَلَیْسَ فِیْ مَعْنَی الْمُکَذِّبِ اَصْلًا فَیَبْقٰی تَحْتَ عُمُوْمِ الْعِصْمَةِ بِکَلِمَةِ الشَّهَادَةِ۔" (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۱۱۲)

ترجمہ:- اس امر کی دلیل کہ انہیں کافر نہیں کہنا چاہیے یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نص شرعی سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے والا ہو وہ کافر ہوتا ہے اور یہ تمام فرقے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

یعنی شیخ الاسلام مخزومی فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ اہل اہواء کی تکفیر جائز نہیں اور ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اہل قبلہ کو کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو جو ظاہر کے مخالف تاویل کرتے ہیں۔ کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتا۔ امام مخزومی فرماتے ہیں کہ اہل اہواء سے امام شافعیؒ کی مراد وہ فرقے ہیں جو محتمل تاویل کرتے ہیں جیسے کہ معتزلہ اور اہل قبلہ سے مراد اہل توحید ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی یہ نقل کرکے فرماتے ہیں:۔

"اے برادر آپ کو ان باتوں سے جو ہم نے اس بحث میں پیش کی ہیں معلوم ہو چکا ہوگا۔ کہ تمام متدین علماء گناہ کی بناء پر اہل قبلہ کی تکفیر کے مخالف ہیں بس ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔"

اگر کوئی شخص قرآن مجید کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کی ایسی تاویل کرتا ہے جو لغت کے لحاظ سے درست ہو سکتی ہے لیکن عام مشہور تفسیر کے خلاف ہے تو وہ اس تفسیر کی وجہ سے مکذب قرآن یا مکذب رسول نہیں ہوگا اور چونکہ ہم سطور بالا میں نیز مجلس عمل کے تحریری بیان کے جواب میں بالتفصیل ثابت کر چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے جو معنے جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ قرآن مجید، احادیث نبویہ، اقوال بزرگان سلف اور لغت سے ثابت ہیں۔ پس محض اختلاف تاویل کی بناء پر جماعت احمدیہ کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دینا درست نہیں ہو سکتا۔

مولانا مودودی کے تحقیقاتی عدالت کے چھٹے سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:

"ختم نبوت کی یہ تعبیر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آسکتا۔ اس عقیدے کی بنیاد قرآن، سنت اور اجماع ہے" (دس نکات کا جواب ص ۶)

تبصرہ: ہمارے نزدیک مولانا کا یہ دعویٰ بھی دیگر دعاوی کی طرح باطل اور بے بنیاد ہے۔ قرآن مجید کی آیت وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ صاف صاف بتا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے منعم علیہم میں سے ہوں گے اور وہ تمام ان روحانی انعامات کے وارث ہوں گے جو پہلوں کو دیئے گئے۔ ان میں سے بعض امتی ہوتے ہوئے نبوت کا انعام پائیں گے بعض صدیق ہوں گے بعض شہید اور بعض صالح۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امتی نبی کے آنے کا ذکر بالصراحت موجود ہے۔ پس مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی حیثیت کا نبی نہیں آسکتا قرآن مجید کی رو سے باطل ہے۔ نیز جیسا کہ چھٹے سوال کے جواب کے ابتدائی حصے میں اور تیسرے سوال کے جواب میں بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں کہ احادیث اور محققین علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غیر تشریعی نبی آسکتا ہے اور آنے والا مسیح نبی ہوگا بالخصوص علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پرانا نبی آسکتا ہے۔ اس صورت میں مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی اور کسی نوعیت کا نبی نہیں آسکتا [illegible] پہنچتا ہے۔ قرآن مجید، احادیث اور اجماع امت کا یہ عقیدہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بوقت نزول نبی ہوں گے بالبداہت مولانا مودودی صاحب کے دعویٰ کی تغلیط کر رہا ہے۔

تفسیر آیت خاتم النبیین

مولانا مودودی صاحب آیت خاتم النبیین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رض سے نکاح کر لیا۔ تو آپ کے اس فعل پر
منافقین، یہود اور مشرکین کی طرف سے دو اعتراض کئے گئے۔ (۱) اپنی بہو سے شادی
کر لی جس کا جواب دیا گیا کہ آپ کا وہ حقیقی بیٹا نہ تھا۔

(۲) اس پر جواب میں وہ کہتے تھے کہ بالفرض یہ جائز ہی ہی مگر اس فعل کا کرنا
کیا ضرور تھا۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ ان آیات میں معترضین کو تین جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) یہ کہ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں جن کا نکاح انہوں نے کیا ہے۔
وہ بہو سے تھا ہی نہیں پھر اعتراض کیسا؟

(۲) یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں یعنی ان کا فرض ہے کہ شریعت الٰہی کے احکام کو نہ صرف
بیان کریں بلکہ خود ان پر عمل بھی کریں اور غیر شرعی رسم کو زائل کرتے ہیں۔

(۳) یہ کہ وہ خاتم النبیین ہیں یعنی آخری رسول ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی رسول یا
نبی آنے والا نہیں ہے اگر وہ کسی خرابی کو باقی رہنے دیں تو یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ
بعد میں آ کر کوئی دوسرا اس کی اصلاح کر دے گا۔

اس میں شبہ نہیں کہ جملہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم تو صرف پہلے
اعتراض کو رد کرنے کیلئے نازل ہوا تھا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے شادی
کر لی ہے اس جملہ میں یہ جواب دیا گیا ہے کہ آپ تو جسمانی طور پر تمہارے مردوں میں سے کسی
کے باپ ہی نہیں ہیں پھر یہ اعتراض کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس کا یہ جواب

ازواج مطہرات کو مومنوں کی مائیں قرار دے کر آپ کو مومنوں کا باپ قرار دیا ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر جلد ۲۱ صفحہ ۷۰ اور درمنثور للامام جلال الدین سیوطی جلد ۵ صفحہ ۱۸۳ وغیرہ میں امام حسن بصری اور عکرمہ اور مجاہد اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے آیت :-

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

کے بعد وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ پڑھا ہے۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں اور اس آیت میں آپ کو مومنوں کا باپ بلحاظ آپ کے نبی ہونے کے کہا گیا تھا لیکن آیت مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ میں آپ کی ابوت سے بالکل انکار کر دیا گیا ہے چونکہ ابوت مطلقہ کی نفی سے ابوت روحانی و جسمانی دونوں کی نفی ہونے کا اندیشہ تھا اور شبہ ہوتا تھا کہ آپ اب نبی بھی نہیں رہے اسلیے اس شبہ کو دور کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ یعنی آپ رسول اللہ ہونے کے لحاظ سے تو بدستور مومنوں کے روحانی باپ ہیں۔ چنانچہ الشہاب علی البیضاوی میں اس آیت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔

اِنَّهٗ لَمَّا نُفِيَتْ اُبُوَّتُهٗ مَعَ الْاِشْتِهَارِ اِنَّ كُلَّ رَسُوْلٍ اَبٌ لِاُمَّتِهٖ اِنَّمَا اُبُوَّتُهُمْ مِنْ رِسَالَتِهٖ فَاسْتُدْرِكَ ذٰلِكَ فَعُلِمَ مِنْهُ اِنَّ الْمَنْفِيَّ الْاُبُوَّةُ الْحَقِيْقِيَّةُ۔

یعنی جب اس امر کی کہ آپ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں" کی نفی کی گئی تو شبہ گذرتا تھا کہ آپ رسول بھی نہیں رہے لیکن یہ مشہور بات ہے کہ ہر ایک رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اس لیے حرف لٰکن کے ساتھ استدراک کیا گیا یہاں صرف حقیقی باپ کی نفی کی گئی ہے۔ روحانی باپ ہونے کی نفی نہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

جب یہ شبہ متذکرہ زائل ہو گیا۔ تو رسول اللہ کے بعد الفاظ خاتم النبیین زیادہ کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ جیسا تفسیر فتح البیان میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام نسفی کا ایک قول نقل کیا گیا ہے۔ کُلُّ رَسُوْلٍ اَبُوْا اُمَّتِہٖ کہ ہر رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے روحانی باپ ہیں۔ اور اتنا کہہ دینے سے کہ بحیثیت رسول آپ اپنی امت کے باپ ہیں آپ کی دوسرے رسولوں پر کوئی فضیلت ظاہر نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ بھی تو اپنی اپنی امت کے باپ تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے خاتم النبیین فرما کر آپ کو تمام دوسرے رسولوں سے ممتاز فرما دیا کہ اور نبی تو صرف مومنوں ہی کے باپ تھے مگر آپ ایسے عظیم الشان اور جلیل القدر نبی ہیں کہ انبیاء کے بھی باپ ہیں اور آپ دیگر تمام رسولوں کی طرح صرف ابو المؤمنین ہی نہیں بلکہ ابو الانبیاء بھی ہیں اور یہ معنی لغت عرب کے عین مطابق ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین معطوف ہے ولٰکن رسول اللہ پر۔ اس لیے جو بات ولٰکن رسول اللہ سے ثابت کرنا مقصود ہے اسی کا اثبات وخاتم النبیین سے بھی مقصود ہونا چاہیئے۔ اور وہ اُبوت روحانی ہے ولٰکن رسول اللہ یہ ثابت کرنے کے لیے فرمایا گیا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مومنوں کے باپ ہیں۔ اور خاتم النبیین یہ ظاہر کرنے کیلئے فرمایا گیا کہ اور تمام رسولوں کی طرح آپ صرف مومنوں ہی کے باپ نہیں بلکہ ان سب سے بڑھ کر آپ کا مرتبہ یہ ہے کہ آپ نبیوں کے بھی باپ ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے بھی اپنی کتاب

تحذیر الناس میں اس آیت کے یہی معنے کئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:-

"سو اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں۔ اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں۔ آپ پر سلسلہ نبوت مختتم ہو جاتا ہے۔ غرض جیسے آپ نبی اللہ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں جیسے خاتم (یعنی مہر نافل) کا اثر اور نقش مختوم علیہ میں ہوتا ہے ویسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔

حاصل مطلب آیۂ کریمہ اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوت معروفہ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوت معنوی امتیوں کی نسبت بھی اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو لفظ خاتم النبیین شاہد ہے۔۔۔۔ تو یہ بات اب ثابت ہو گئی کہ آپ والد معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپ کے حق میں بمنزلہ ولد معنوی۔ اور امتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ میں غور کیجیے۔"

(تحذیر الناس ص۱۰-۱۱)

پھر بحث کا نتیجہ یہ لکھتے ہیں:-

"اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی۔ بلکہ افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۲۰)

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ [illegible] بعثت کے [illegible] دوسرے انبیاء پر فضیلت دی [illegible]۔

الغرض ایک آپ نے اپنا خاتم الانبیاء ہونا بیان فرمایا ہے پس آپ کا افضل الانبیاء ہونا اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی ہے اور اگر خاتم النبیین کے معنی لیے جائیں کہ آپ سب نبیوں کے آخر میں ہیں تو صرف آخر میں ہونا کوئی وجہ فضیلت نہیں ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بھی فرمایا ہے کہ :-

"تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں" (تحذیر الناس ص۲)

اس آیت کے پہلے حصہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم پر ایک اور شبہ پیدا ہوتا تھا اور وہ یہ کہ سورۃ کوثر میں جو مکی سورۃ ہے یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ کہ تیرا یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دشمن ابتر رہیگا اور اس کی نسل نہیں چلے گی۔ مگر اس سورۃ یعنی سورۃ احزاب میں جو مدنی سورۃ ہے یہ اعلان کیا گیا کہ وہ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اور نہ آئندہ ہوں گے۔ اور چونکہ یہ بظاہر پہلے اعلان کے عین منافی تھا۔ اس لیے ولکن رسول اللہ میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا کہ سورۃ کوثر میں جس لحاظ سے دشمنوں کو ابتر کہا گیا تھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صاحب اولاد قرار دیا گیا تھا وہ روحانی لحاظ سے ہی تھا۔ کیونکہ یہ مقدر تھا کہ آخر کار آپ کے شدید دشمن ابوجہل و ولید وغیرہ کی اولادیں اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ کر آپ کی غلامی اختیار کریں گے۔ اور آپ کی روحانی اولاد کہلائیں گی۔ اس طرح سے آپ صاحب اولاد رہیں گے۔ اور آپ کے جسمانی دشمن بے اولاد۔ اس جگہ میں قارئین سے درخواست کرونگا۔ کہ وہ اس کی تفصیل وحی و نبوت کے متعلق اسلامی نظریہ میں مطالعہ فرمائیں۔ جس میں حضرت امام جماعت احمدیہ نے آیت خاتم النبیین کی نہایت لطیف تفسیر بیان فرمائی ہے۔

اب میں اس امر کا فیصلہ قارئین کے انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ وہ خود

فیصلہ کریں کہ ان دونوں تفسیروں میں سے جو اوپر درج ہو چکی ہیں کونسی تفسیر سیاق و
سباق اور زبانِ عرب کے مطابق ہے۔

مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں وہ خاتم النبیین یعنی وہ رسول ایسے ہیں کہ
انکے بعد کوئی رسول یا نبی آنیوالا نہیں ہے۔ اور آپ کا یہ زمانہ نبوت ہے اس حالت میں
ہے کہ جناب مولانا حضرت مسیح علیہ السلام کی آمدِ ثانی کو بھی قطعی اور یقینی امر ظاہر فرماتے
ہیں اور ہم بحوالہ احادیث اور اقوال علماء کرام و بزرگانِ سلف اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ
آنیوالے مسیح بوقت نزول نبی ہونگے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح
کو اپنی امت کے اندرونی اختلافات کیلئے حکم و عدل اور امام مہدی قرار دیا ہے۔

لفظ ختم کے معنے

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ خاتم کے لفظ کو خواہ بالکسر خاتِم پڑھا جائے یا
بالفتح خاتَم۔ دونوں صورتوں میں مطلب صاف طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی
بعثت سے انبیاء کے سلسلے پر مہر لگ گئی۔ (دس نکات کا جواب ص۳)

جناب مولانا کو یہ مسلم ہے کہ خاتَم کے معنی مہر کے ہیں اور خاتِم کے معنی مہر لگانیوالے
کے ہیں اور حقیقت یہی ہے کہ خاتَم کے اصل معنی عربی زبان میں انگوٹھی کے ہیں۔ اور
خاتِم بکسر التاء بھی ان معنوں میں کبھی کبھی استعمال ہوتا ہے عربی ڈکشنری منجد میں لکھا
ہے "الخاتم بفتح التاء وکسرھا حلی للاصبع یلبس او ما یختم بہ"۔
یعنی خاتم انگلی کا ایک زیور ہے جو انگلی میں پہنا جاتا ہے۔ یا ایک آلہ بمعنی مہر ہے
جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے آیت میں خاتَم بفتح التاء ہے۔ اور ایک قرأت میں
بکسر التاء بھی آیا ہے جس کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ ایک ختم کرنیوالا اور دوسرے مہر لگانے
والا یا صرف مہر۔ لیکن خاتَم بفتح التاء کے عربی زبان میں صرف انگوٹھی اور مہر کے معنی

ہیں۔ احادیث نبویہ میں خاتم بفتح التاء انگوٹھی اور مہر کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے چنانچہ ایک صحابی سے جو نکاح کے خواہشمند تھے لیکن مہر کے لئے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ حضور نے فرمایا "وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ" جاؤ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو! اور جب آپ نے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو آپ نے چاندی کی خاتم یعنی مہر بنوائی جس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ کندہ کئے گئے تھے۔

اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنے ہوئے نبیوں کی مہر یا انگوٹھی یا نبیوں کی مہر لگانے والا ظاہر ہے کہ آخری معنے آپ کے حق میں درست ہیں اور آپ ظاہری لحاظ سے نبیوں کی مہر یا انگوٹھی بھی نہیں ہیں اس لئے ضروری ہوا کہ وجہ شبہ تلاش کی جائے جس وجہ سے آپ کو نبیوں کی مہر قرار دیا گیا ہے۔ سو وجہ شبہ مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں:-

اوّل:- انگوٹھی زینت کے لیے پہنی جاتی ہے اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنے ہوئے آپ انبیاء علیہم السلام کے لیے بطور زینت کے ہیں چنانچہ تفسیر فتح البیان جلد ۵ صفحہ ۲۸۶ میں لکھا ہے کہ خاتم کے معنی ہیں وہ ان کے آخر میں آیا اور خاتم بفتح التاء کے معنی ہیں:-

"صَارَ كَالْخَاتَمِ لَهُمْ الَّذِي يَخْتِمُونَ بِهِ وَيَتَزَيَّنُونَ بِكَوْنِهِ مِنْهُمْ" کہ آپ انبیاء کے لیے بمنزلہ خاتم کے ہیں یعنی آپ کا نبی ہونا دوسرے انبیاء کے لیے باعث زینت ہے۔ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔

"خاتم بمعنی الزینۃ ماخوذ من الخاتم الذی ھو زینۃ للابسہ" خاتم کے معنی زینت کے ہیں جو خاتم سے ماخوذ ہے جو اپنے پہننے والے کیلئے زینت ہوتی ہے۔ امام زرقانی لکھتے ہیں۔ "اِنَّمَا يُخْتَمُ بِمَا مُعْتَنًى أَحْسَنُ الْأَنْبِيَاءِ خَلْقًا وَخُلُقًا لِأَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَالُ الْأَنْبِيَاءِ كَالْخَاتَمِ الَّذِي يُتَجَمَّلُ بِهِ"

(شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۴ مطبوعہ مصر)

خاتم النبیین کے معنے ت کی زیر کے ساتھ یہ ہیں کہ آپ صورت و سیرت کے لحاظ سے سب نبیوں سے احسن ہیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا جمال گویا انگوٹھی کی طرح جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔

دوسری وجہ تشبیہ جو انگوٹھی میں اور آپ کے خاتم النبیین ہونے میں ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے اس طرح آپ تمام نبیوں پر محیط ہیں یعنی جس قدر خوبیاں اور کمالات دوسرے انبیاء میں فرداً فرداً پائے جاتے وہ سب آپ کی ذات والا صفات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اور آپ جامع جمیع کمالات انبیاء ہیں اور علی الاطلاق سب انبیاء سے افضل و برتر ہیں۔ ان معنوں کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خاتم کا لفظ کمال کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتا ہے چنانچہ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

فُجِعَ الْقَرِيضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ
وَغَدِيرِ رَوْضَتِهَا حَبِيبِ الطَّائِي

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اول ص۱۲۲ مطبوعہ مصر)

اس شعر میں حبیب الطائی کو خاتم الشعراء قرار دیا ہے لیکن اس سے شاعر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حبیب کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا۔ بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا باکمال شاعر تھا جس میں شاعری کے تمام کمالات پائے جاتے تھے انہی معنوں میں حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ نے ختم کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"بِكَ تُخْتَمُ الْوِلَايَةُ" (فتوح الغیب مقالہ ۴)

کہ پھر تو اے برادر ایسے مقام پر پہنچ جائے گا جہاں تجھ پر ولایت ختم ہو جائے گی یعنی تو خاتم الاولیاء بن جائے گا۔

در انہی معنوں میں شیخ محی الدین ابن العربیؒ کو فتوحات مکیہ کے ٹائٹل پیج پر خاتم الاولیاء اور رسالہ عجالہ نافعہ کے ٹائٹل پیج پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو خاتم المحدثین اور مولانا محمود الحسن صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے اپنے پیر و مرشد مولانا رشید احمد گنگوہی کو ان کے مرثیہ کے ٹائٹل پیج پر خاتم الاولیاء والمحدثین لکھا ہے۔

(ملاحظہ ہو مرثیہ مطبوعہ بلالی ساڈھوری ضلع انبالہ) اس طرح خاتم المفسرین، خاتم المتکلمین، خاتم المحققین، خاتم الفقہاء، خاتم الشعراء وغیرہ الفاظ تحریر و تقریر میں بکثرت استعمال کئے جاتے ہیں مگر ان سے کبھی یہ مراد نہیں لی جاتی۔ کہ وہ شخص اس گروہ کا آخری فرد ہے۔ اور اب اس کے بعد کوئی اور شخص نہ مفسر ہو سکتا ہے نہ محدث نہ فقیہ و محقق نہ شاعر اور نہ ولی۔

عربی زبان کے علاوہ اردو اور فارسی میں بھی ختم کا لفظ کمال کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ فارسی زبان کا ایک مشہور اور بلند پایہ شاعر انوری غیاث الدین بادشاہ کی تعریف میں کہتا ہے:-

ا در گیتی نزادہ زیر چرخ چنبری
پادشاہے چوں غیاث الدین گدا چوں انوری
بر تو سلطانیست ختم و بر من مسکین سخن
چوں شجاعت بر علی و بر مصطفےٰ پیغمبری

یعنی جس طرح رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت اور حضرت علیؓ پر شجاعت ختم ہے اس طرح غیاث الدین پر بادشاہی اور مجھ پر شاعری ختم ہے۔

تیسری وجہ تسمیہ:- یہ ہے کہ مہر تصدیق کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عجمی بادشاہوں کو دعوت اسلام کے خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ تو آپ سے عرض کیا گیا۔ کہ شاہان عجم ایسے خط کو جس پر صاحب مکتوب کی مہر

جو قبول نہیں کرتے۔ راوی کہتا ہے :-

فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ

(نسائی)

تب آپ نے چاندی کی ایک مُہر بنوائی اور اس میں محمد رسول اللہ کے الفاظ نقش کئے گئے۔ پس خاتم النّبیین کے معنے اس لحاظ سے یہ ہوئے کہ آپ سب نبیوں کے مصدق ہیں یعنی کسی نبی کی نبوت اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس پر آپ کی مُہر تصدیق نہ ہو۔ چنانچہ مولوی آل حسن صاحب اپنی کتاب، استفسار میں فرماتے ہیں :-

ازاں جملہ اگلے سب انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان لانے کی سبب فقدان اسناد اور ثبوت تحریف کے کوئی سبیل نہیں باقی رہی بجز تصدیق حضرت خاتم النّبیین کے (استفسار برحاشیہ ازالۃ الاوہام صـ۳۴۹)

اگر کہا جائے کہ مُہر خط کے آخر میں (جو ضروری نہیں ہے) لگائی جاتی ہے اس لئے خاتم النّبیین کے معنی آخر کے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام بیان سے ظاہر ہے کہ خاتم کے معنی لغتاً آخر کے نہیں ہیں۔ اور اگر آخر کے معنے لیے بھی جائیں تو وہ لازم معنی کہلائیں گے نہ کہ اصل معنی۔ اور جب اصل معنے لیے جا سکتے ہیں تو پھر لازم معنی ہی کیوں لیے جائیں۔ اور اگر ہم مُہر کی اصل غرض جو تصدیق ہے اسے لیکر آخر کے معنے لیں تو پھر خاتم النّبیین کے معنے ہونگے کہ آپ نبیوں کے لیے آخری مصدق ہیں جن کے ذریعہ تمام انبیاء کی تصدیق ہو گئی اور ظاہر ہے کہ یہ معنے بھی ہماری تفسیر کے خلاف نہیں۔

مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہے کہ خاتم کے اصل معنی آخر کے نہیں بلکہ لازم معنی ہیں اور اگر خاتم کہیں آخر کے مضمون میں استعمال کیا بھی جاتا ہے تو لازم المعنی

لے کر کیا جاتا ہے۔ اور جب قرآن مجید کی آیت میں کوئی ایسا صریح قرینہ موجود نہیں ہے جو لازمہ معنی لینے پر دلالت کرے تو اس کے باقی سب معنے چھوڑ کر صرف آخر کے ہی معنے لینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔

ضمیمہ ۴ پر تبصرہ

احادیث اور خاتم النبیین

ہم سوال ۱۲ کے جواب میں لکھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صریح اور واضح الفاظ میں آنیوالے مسیح کے حق میں چار مرتبہ نبی اللہ فرمایا ہے اور اپنے صاحبزادے ابراہیم کی نسبت فرمایا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو نبی ہو جاتے۔ اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے کہ تم خاتم النبیین تو کہو لیکن یہ مت کہو کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیٌّ۔ (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صلا) کہ حضرت ابو بکرؓ میری امت میں سب سے افضل ہیں۔ مگر یہ کہ کوئی نبی ہو۔ یعنی اس امت سے اگر کوئی نبی ہوا تو وہ حضرت ابو بکرؓ سے افضل ہوگا۔ ان اقوال کے بعد کوئی شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی خدا کا خوف ہو وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں کسی کو مقام نبوت کا حاصل ہو جانا آپ کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ ۴ میں جو احادیث در بارہ ختم نبوت لکھی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کے راوی ضعیف ہیں تاہم وہ احادیث ہمارے عقیدہ کے مخالف نہیں۔

اور ان کی اصل تشریح ہمارے لٹریچر میں بکثرت شائع ہو چکی ہے۔ میں یہاں
نہایت اختصار کے ساتھ (جو از قبیل اشارات ہے) اس کا ذکر کرتا ہوں۔
(۱) پہلی روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن جعفر ہے یحییٰ بن سعید کے سامنے
جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اپنا منہ بنایا جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اسے
ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب)
اور اس روایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کے معاً بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔
جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہوتا تھا۔ کہ جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کا جانشین
بھی نبی ہوتا۔ اور وہی سیاسی لحاظ سے ان کا بادشاہ بھی ہوتا تھا لیکن آپ کے
معاً بعد جو آپ کے جانشین ہوں گے وہ نبی نہ ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے
اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد کبھی بھی کوئی نبی نہ ہوگا اور اس
سے باشارۃ النص یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے بعد جو نبی ہوگا وہ سیاسی
طور پر بادشاہ نہ ہوگا۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ موسویہ میں نبی
تھے اور بادشاہ نہ تھے۔
(۲) دوسری روایت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے سے
پہلے نبیوں کی مثال ایک مکان سے دی ہے۔ امام بخاری نے اس باب میں دو
حدیثیں ذکر کی ہیں۔ جن میں سے صرف دوسری میں خاتم النبیین کے الفاظ آتے
ہیں۔ ان کی اسناد میں بھی ایک راوی اسمٰعیل بن جعفر ہے۔ جس کے متعلق
تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ قلیل الخطاء کہ کبھی کبھی غلطی بھی کر جاتا
ہے۔ دوسرا راوی عبداللہ بن دینار ہے۔ عقیلی نے اسے ضعیف اور اس کی
روایت کو مضطرب قرار دیا ہے اور ابن شیبہ نے کہا ہے کہ اس کی ابتدائی
روایات غیر ثقہ ہیں۔ (میزان الاعتدال)

امام مسلم نے اس کے متعلق جو پانچ روایات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے چار میں خاتم النبیین کے الفاظ نہیں صرف ایک میں ہیں۔ اور یہ روایت مسلم کی ان روایات میں سے ہے جو انہوں نے ادلّ الطبقہ کی بیان کی ہیں ملاحظہ ہو مقدمہ صحیح مسلم اور حدیث کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس حدیث کا وہ مفہوم نہیں ہے۔ جو مولانا مودودی صاحب نے لیا ہے۔ مولانا نے اس حدیث کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے پر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے تھے اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے تھے مگر کہتے تھے کہ اس اینٹ کی جگہ پر کیوں نہ کر دی گئی۔ تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں"۔

اس سے ایک تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مثال پہلے انبیاء سے (جو مستقل نبی ہوا کرتے تھے) بیان فرمائی ہے۔ دوسرے یہ کہ عمارت خوبصورت تھی۔ مگر اس محل کے ایک زاویہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہونے کی وجہ سے دیکھنے والے کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ یہ خالی جگہ بھی پُر ہو جائے۔ تاکہ اس کی خوبصورتی اور اس کا حسن دوبالا ہو جائے۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آنے سے ایسا ہو گیا۔ اس لیے آپ تمام دیگر انبیاء سے حسین اور خاتم النبیین قرار پائے یعنی ایسے کامل کہ جن سے زیادہ کامل نبی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی تشریح میں بالوضاحت لکھا ہے۔ اس سے مراد نبیوں کی شریعتیں ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ

اس سے مراد یہ ہے کہ یہ اینٹ عمارت کو کامل اور خوبصورت بنانے والی ہے۔ ورنہ اس کی عدم موجودگی سے اس کا ناقص ہونا لازم آئے گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس کے اپنے زمانہ کے لحاظ سے کامل تھی۔

"فَالْمُرَادُ هُنَا النَّظْرُ اِلَى الْاَكْمَلِ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الشَّرِيْعَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ مَعَ مَا مَضٰى مِنَ الشَّرَائِعِ الْكَامِلَةِ"
(فتح الباری جلد ۶ ص۳۶۱ مطبع خیریہ مصر)

پس اس حدیث میں شریعت محمدیہ کا پہلی کامل شریعتوں کی نسبت سے اکمل ہونا مراد ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ اس روایت میں درحقیقت پہلی شرائع کا شریعت محمدیہ سے مقابلہ مراد ہے نہ کہ نبوت کا۔

اور سرخیل صوفیا حضرت شیخ محی الدین عربیؒ فرماتے ہیں:۔
"وَكَانَ مِنْ جُمْلَةِ مَا فِيْهَا تَنْزِيْلُ الشَّرَائِعِ فَخَتَمَ اللّٰهُ هٰذَا التَّنْزِيْلَ بِشَرْعِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ"
(فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۵۷)

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر چونکہ تمام شرائع کا خاتمہ ہو گیا اس لیے آپ خاتم النبیین ٹھہرے۔

اور عارف ربانی سید عبدالکریم جیلیؒ فرماتے ہیں۔ کہ تشریعی نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گئی۔ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے۔ لِاَنَّهٗ جَاءَ بِالْكَمَالِ وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ بِذٰلِكَ۔ (الانسان الکامل)

کیونکہ آپ کامل شریعت لائے اور دوسرا کوئی ایسا کمال نہ لایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپ پر ہی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی آیت اتری اور کسی پر نازل

(۳) تیسری روایت میں خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ کے الفاظ ہیں ترجمہ مولانا مودودی صاحب نے یہ کیا ہے:-

مجھ سے انبیاء کے سلسلے پر مُہر لگا دی گئی ہے۔"

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ کسی شخص کا محض آخر میں ہونا باعثِ فضیلت نہیں اور یہاں آنحضرت صلعم اپنے خاتم النبیین ہونے کو دوسرے انبیاء پر فضیلت کا باعث بتا رہے ہیں۔ اور مولانا مودودی صاحب نے "سلسلہ" پر کے الفاظ اپنے پاس سے داخل کر دیئے ہیں۔ حالانکہ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ میں سلسلہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر نبیوں پر مُہر کے معنے یہاں لیے جائیں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ میرے ذریعہ سے تمام انبیاء کی صداقت ظاہر ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر میں ان پر مُہر تصدیق نہ لگاتا تو ان کی نبوت ثابت نہ ہو سکتی

اور شیخ الہند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:-

خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُہُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔"

یعنی آپ کے خاتم النبیین ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جسے خدا تعالیٰ نئی شریعت دے کر لوگوں کی طرف مامور فرمائے۔

(۴) چوتھی حدیث مولانا مودودی صاحب نے اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ بحوالہ ترمذی پیش کی ہے لیکن امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے جو مدار اعتقاد و ایمانیات نہیں ہو سکتی۔

اس کا ایک راوی المختار بن فلفل ہے اس کے متعلق ابن حبان نے کہا ہے یخطی کثیرًا۔ کہ وہ روایت میں بہت غلطی کرتا ہے۔ اور

بدرجہ سلیمانی نے بھی اس کے متعلق اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا اور اس کا شمار
انہی لوگوں میں کیا ہے جو انسؓ سے ناقابل قبول حدیثیں روایت کرتے ہیں۔
(تہذیب التہذیب) اس کے ایک دوسرے راوی عبدالواحد بن زیاد کے متعلق
یحیٰ بن معین کہتے ہیں "لَیْسَ بِشَیْءٍ" کہ وہ کسی کام کا نہیں۔ (میزان
الاعتدال)

مزید برآں حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ اپنا یہ عقیدہ ذکر کرکے کہ
"وہ نبوت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود سے منقطع ہو گئی وہ
تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ پس کوئی ایسی شریعت نہیں ہوگی جو
شریعت محمدیہ کی ناسخ ہو اور نہ آپ کی شریعت میں کوئی زائد حکم ہوگا۔"
لکھتے ہیں کہ:-

"اور یہی معنے حضور علیہ السلام کے قول ان الرسالۃ والنبوۃ قد
انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی" کے ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی
ایسا نبی نہ ہوگا جو میری شریعت کے مخالف ہو۔
بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔ بلکہ جب بھی ہوگا تو میری شریعت
کے ماتحت ہوگا" (ترجمہ از عربی عبارت فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

(۵) مولانا مودودی صاحب کی پیش کردہ پانچویں حدیث میں جو الفاظ "اَلْعَاقِبُ
الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" وارد ہیں۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور شرح صحیح مسلم سے ثابت ہے۔ کہ عاقب کی
تفسیر امام زہری نے کی ہے۔ جو صحابی نہیں ہیں لیکن باوجود اس کے
مولانا مودودی صاحب اُسے آنحضرت صلعم کا قول بتارہے ہیں۔
حضرت امام ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔ کہ وہ کسی صحابی یا تابعی سے

ہیں۔ اور العاقب کی تفسیر یہ لکھتے ہیں:۔

وَفِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ یَخْلُفُ فِی الْخَیْرِ مَنْ کَانَ قَبْلَہٗ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص ۳۷۶)

یعنی شرح مسلم میں ابن الاعرابی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ العاقب اسے کہتے ہیں جو نیکی میں اپنے سے پہلے کا قائم مقام ہو۔

دوسرے اس کا یہ بھی مطلب لیا جا سکتا ہے۔ کہ حضور کا دورِ نبوت قیامت تک ممتد ہے۔ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آ سکتا۔ جو آپ کے مبارک دور کو ختم کرنے والا ہو۔ اور یہی ہمارا مذہب ہے کہ آپ کی شریعت مطہرہ قیامت تک کے لیے ہے۔

(۶) چھٹی حدیث مولانا مودودی صاحب نے ابن ماجہ کی اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ پیش کی ہے۔ اس کے راویوں میں سے بھی عبد الرحمٰن بن محمد، محاربی اور اسمٰعیل بن رافع ضعیف ہیں۔ عبدالرحمٰن کے متعلق امام ابن معین کہتے ہیں کہ وہ مجہول اشخاص سے ناقابلِ قبول باتیں بیان کیا کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال، تہذیب التہذیب) اس کے دوسرے راوی ابو رافع اسمٰعیل بن رافع کو امام احمد اور امام یحیٰی اور محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام دارقطنی اور امام نسائی نے اسے متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام کی تمام روایات مشکوک ہیں۔ ابن معین۔ ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی وہ ضعیف ہے اور ابن حبان کا قول ہے کہ وہ احادیث کو تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب) اور روایت کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ کہ اس

ہیں انبیاء سے مراد صرف وہ نبی ہیں جو شریعت جدیدہ لاتے اور نئی اُمت بناتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپؐ آخری شارع نبی ہیں۔ لہٰذا آپؐ کی اتباع اور فیض روحانی سے کسی اُمتی کا نبی ہونا آپؐ کے آخری نبی ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہ کوئی نئی شریعت نہیں لائے گا۔ اور نہ نئی اُمت بنائے گا بلکہ خود اُمتی ہوگا۔

اسی طرح روایت لَانَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّتِیْ [illegible] اور روایت اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ جو [illegible] پر مولانا مودودی صاحب نے ذکر کی ہیں۔ ان کا بھی یہی مطلب ہے۔ آخر الانبیاء کی تفسیر حضورؐ کے فرمان آخر المساجد سے خوب واضح ہو جاتی ہے۔ جس طرح مسجد نبویؐ کا مقام تمام مساجد کے آخر میں ہونا یہ معنے رکھتا ہے کہ آئندہ کوئی مسجد اس وقت تک مسجد نہیں کہلا سکتی جب تک کہ وہ مسجد نبوی کے ماتحت نہ ہو۔ یعنی اگر اس کا بھی وہی قبلہ ہو جو مسجد نبوی کا ہے تو مسجد ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح آپ کے آخر الانبیاء ہونے کے یہ معنے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ماتحتی میں تو نبی آسکتا ہے لیکن جو حضور سے الگ ہو کر نیا قبلہ بنائے اور نئی شریعت بنا لائے۔ ایسا نبی قیامت تک نہ ہوگا۔

پس جس طرح مسجد نبوی کے ماتحت مسلمانوں کی مسجدیں بنتی ہیں اور ان سے حدیث آخر المساجد کا مضمون قائم رہتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت کی ماتحتی میں کسی نبی کے ہو جانے سے حضور کے آخر الانبیاء ہونے میں فرق نہیں آسکتا۔ چنانچہ حضرت امام ملا علی قاری۔ نے لکھا ہے کہ آپ کے خاتم النبیین ہونے کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں

آئے گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

آخر کے معنے

پھر عربی زبان میں آخر کا لفظ اس شخص کے لیے بھی بولا جاتا ہے جو اپنے فن میں منتہی ہو اور کمال رکھتا ہو۔ یعنی فقید المثال ہو۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت امام ابن تیمیہؒ کو ان کے تبحر علمی کی وجہ سے آخر المجتہدین لکھا ہے۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

اسی طرح ایک حماسی شاعر کہتا ہے:۔

شَرَىٰ وُدِّيْ وَشُكْرِيْ مِنْ بَعِيْدٍ ۔ لِآخِرِ غَالِبٍ اَبَدًا رَبِيْعٌ

مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کے لیے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے۔" (حماسہ باب الادب)

پس کسی جماعت یا گروہ کا آخر ہونے سے مراد عربی زبان میں اس کا فقید المثال اور بے نظیر ہونا مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح حضور سید عالم کے آخر الانبیاء ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام انبیاء کے پاک گروہ میں سب سے بڑھ کر عدیم المثال اور کامل و اکمل فرد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں۔

بہر این خاتم شدست او کہ بجود ۔ مثل او نے بود نے خواہند بود

اسی طرح اردو زبان میں بھی آخر کا لفظ ان معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ مثلاً ڈاکٹر سر محمد اقبال فقیہہ الملک۔ داغ دہلوی کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں ؎

چل بسا داغ آہ میت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

یہاں جناب داغؔ کو دلی کا آخری شاعر قرار دیا ہے۔ اور آگے چل کر لکھتے ہیں :-

چل دیئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا

(بانگ درا ص۸۵)

گویا آخری شاعر کے بعد حالی شاعر موجود بھی تھا۔ اور قارئین خوب جانتے ہیں کہ جناب داغؔ کے بعد بہت سے شاعر ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

(۷) ساتویں حدیث اور اسی طرح دسویں حدیث جو مولانا مودودی صاحب نے پیش کی ہیں۔ ان میں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے الفاظ ہیں۔ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنے جیسا کہ امام ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے یہ ہیں :-

"اس کے معنے نزدیک اہل علم (جاہل جو چاہیں کریں۔ ناقل) یہ ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لیکر نہیں آئے گا۔ (اقتراب الساعۃ ص۱۶۲ و اشاعۃ فی اشراط الساعۃ)

اس طرح امام محمد طاہرؒ نے تکملہ مجمع البحار ص۸۵ میں اس کے یہ معنے لکھے ہیں۔ "اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ"۔ کہ آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی اس قول سے مراد ایسا نبی ہے جو حضور علیہ السلام کی شریعت کا ناسخ ہو حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ:۔
"لا نبی بعدی سے مراد یہ ہے کہ شریعت لانے والا کوئی نبی نہ ہوگا یہ نہیں کہ آپ کے بعد مطلق کوئی نبی نہ ہوگا" (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳ ترجمہ از عربی)

اور علامہ خطابیؒ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان "اِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ" (کہ جب قیصر ہلاک ہو جائیگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا) کے یہ معنے کئے ہیں "مَعْنَاهُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ يَمْلِكُ مِثْلَ مَا يَمْلِكُ هُوَ" (فتح الباری جلد ۲)
یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے جیسی وسیع سلطنت کا مالک کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ قیصر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا قیصر ہوا۔ مگر باپ کی طرح صاحب شکوہ نہ تھا۔

اسی طرح ایک مشہور قول ہے۔ لَا فَتٰى اِلَّا عَلِیٌّ۔ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔ یہاں بھی وہی لا ہے جو لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ حضرت علیؓ جیسا شجاع کوئی جوان نہیں اور نہ ذوالفقار جیسی کوئی تلوار ہے۔ پس لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے معنے یہ ہوں گے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم المرتبت اور جامع جمیع کمالات نبوت کوئی نبی نہیں ہے۔

———— ❖ ————

مولانا کو بہت دُور کی سُوجھی

دسویں حدیث جس میں یہ ذکر ہے کہ جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جناب تبوک کے لیے تشریف لے جانے لگے۔ اور حضرت علیؓ کو مدینہ میں نگرانی کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا۔ تو اس پر حضرت علیؓ نے حضور کے ساتھ جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضورؐ نے فرمایا۔

"اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ"

اے علی! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم میرے خلیفہ ہو جیسے کہ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد حضرت ہارون ان کے خلیفہ بنے تھے مگر ہاں اتنی بات ہے کہ تم میرے بعد حضرت ہارون کی طرح نبی نہیں ہو گے۔ صرف خلیفہ ہی رہو گے۔

مولانا مودودی صاحب اس واقعہ سے یہ نیا اور اچھوتا استدلال فرماتے ہیں کہ "حضور کے بعد تشریعی ہی نہیں بلکہ غیر تشریعی نبوت کا دروازہ بھی بند ہے۔ کیونکہ حضرت ہارون غیر تشریعی نبی تھے۔ شریعت ان کو نہیں بلکہ حضرت موسیٰ کو دی گئی تھی"۔

مولانا مودودی صاحب کو یہ بہت دُور کی سوجھی ہے جو پہلے کسی عالم کو نہیں سوجھی۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولانا نے نہ خود اس واقعہ پر غور فرمایا ہے نہ علمائے سلف کی تحریرات اور تشریحات کو ملاحظہ کیا ہے۔ محققین علماء نے لکھا ہے کہ یہاں "بعدی" سے مراد محض یہ ہے کہ میرے تبوک پر جانے کے بعد نبی نہ ہو گا۔ ورنہ اگر کسی نبی کا آنا میرے

موت کے بعد کئے جائیں تو دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ اور نہ حضرت علیؓ کو حضرت ہارون سے تشبیہ دینا درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وجہ شبہ ان دونوں مشبہ (حضرت علی) اور مشبہ بہ (حضرت ہارون) کے مابین خلافت ہے اور حضرت ہارون حضرت موسٰے کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ ہی نہیں ہوئے۔ کیونکہ آپ حضرت موسٰے سے پہلے وفات پا گئے تھے (ملاحظہ ہو تاریخ طبری و فتح الباری شرح بخاری اور عینی جلد ۷ صفحہ ۶۳۴) لہذا یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ اثبات خلافت تو زندگی کی حالت کا فرمائیں۔ اور نبوت کا استثناء اپنی موت کے بعد کا۔

شیعہ صاحبان نے اسی معنوی غلطی کی وجہ سے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حق خلافت حضرت علیؓ کا تھا۔ مگر شارحین حدیث نے یہی جواب دیا ہے کہ وفات کے بعد یہاں خلافت کا ذکر نہیں کیونکہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

(عینی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۶۳۴)

اسی طرح علامہ السندی نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ ان کے فوت ہونے کے بعد نہیں ہوئے۔

(حاشیہ ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۲۸ مصری)

اور اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ایک حدیث میں بالصراحت حضرت علیؓ سے خطاب کیا گیا ہے: قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عَلِيُّ أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ لِي كَهَارُوْنَ مِنْ مُوسٰى غَيْرَ أَنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا۔

قال تاتی یا رسول اللہ" (طبقات کبیر لابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۵)

کہ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے خلیفہ بنو جیسے ہارون موسیٰ کے خلیفہ بنے تھے۔ مگر ہاں تم نبی نہیں ہوگے۔ اس جملہ کے فرمانے کی ضرورت یہ ہوئی کہ جب خلافت میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون کے ساتھ مشابہت دی گئی تو شبہ پڑتا تھا کہ حضرت ہارونؑ چونکہ نبی تھے اس لئے شاید حضرت علیؓ بھی خلیفہ ہونے کی صورت میں نبی ہوں گے اس لئے حضور علیہ السلام نے وضاحت فرما دی کہ تم میرے بعد (یعنی مدینہ سے تبوک کو جانے کے بعد) صرف خلیفہ یا امیر ہوگے نبی نہیں ہوگے۔ اور یہاں بعد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ سے غیر حاضری کا زمانہ ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے متعلق ذکر ہے

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ (البقرہ ع ۶) اور تم نے موسیٰ کے کوہ طور پر جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ بعدہٗ سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ موسیٰ کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنایا تھا۔ فافہم

(۸) آخر میں حدیث سے مولینا نے یہ استدلال کیا ہے کہ امت محمدیہ کے لئے صرف اچھے خواب یا صالح خواب ہی رہ گئے ہیں۔ گویا کشف اور الہام اور وحی کے سب دروازے بند ہو چکے ہیں۔ حالانکہ یہ امر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کی تحریرات کے صریح مخالف ہے۔ اور ہم سوال نمبر ۷ کے جواب میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ امت محمدیہ کے لئے وحی اور الہام، کشوف، اور رؤیائے صالحہ کا دروازہ کھلا ہے اور ہر زمانہ میں امت محمدیہ کے افراد ان انعامات کے مورد ہوتے رہے ہیں۔ لہذا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مبشرات بھی ایک قسم کی نبوت ہے جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نبوت کی اقسام میں سے ایک قسم مبشرات باقی ہے۔ اور شارحین حدیث نے یہ تسلیم کیا ہے کہ حضور کا رؤیا کی مثال دینا بالتدبر

عموم کے ہے۔ ورنہ خواص کو اس سے بڑھ کر انعامات مل سکتے ہیں۔

علامہ سندھیؒ ابن ماجہ کے حواشی میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:-

"اَلْمُرَادُ اِنَّهَا لَمْ تَبْقَ عَلَى الْعُمُوْمِ وَاِلَّا فَالْاِلْهَامُ وَالْكَشْفُ لِلْاَوْلِيَاءِ مَوْجُوْدٌ"

(حاشیہ ابن ماجہ جلد ٢ صہ ٢٣٢ مطبوعہ مصر)

یعنی مراد یہ ہے کہ علی العموم نبوت سے صرف اچھے خواب باقی رہ گئے۔ ورنہ اولیاء کے لئے تو الہام اور کشف کا دروازہ بھی کھلا ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کی زبان پر فرشتے کلام کرتے تھے۔ اور امام ربانی مجدد الف ثانی اور سید محی الدین ابن عربیؒ وغیرہ ائمہ کے اقوال سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس امت کے خواص اور کامل افراد کو وحی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔ کہ وحی مبشرات نیند اور غیر نیند دونوں حالتوں میں ہوتی ہے۔

"وَقَدْ يَكُوْنُ وَحْيُ الْمُبَشِّرَاتِ اَيْضًا بِوَاسِطَةِ مَلَكٍ"

(الیواقیت والجواہر جلد ٢ صہ ٢٩٦)

اور کبھی وحی المبشرات بواسطہ فرشتہ بھی ہوتی ہے اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی ایک قسم کا نام مبشرات رکھ کر بتایا کہ وہ باقی رہ گئی ہے اور تشریعی نبوت باقی نہیں رہی اور مبشرات کی ادنیٰ قسم جو رؤیا تھی اس کا بطور مثال ذکر فرما دیا بصورت حدیث حضور کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ رؤیا کے سوا کسی کو ہرگز کشف نہ ہوگا اور نہ پہلے بزرگوں نے اس حدیث سے ایسا سمجھا یہ تو چودھویں صدی کا کرشمہ ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب جیسے حضرات جو الہام و وحی سے محروم ہیں وہ ساری امت کو ان انعامات سے تہی دست خیال کرتے ہیں۔

(٩) نویں حدیث مولانا مودودی صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے

فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا۔ تو عمرؓ ہوتے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے لکھ کر اسے غریب قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ لا نعرفہ الا من حدیث مشرح بن ھاعان " کہ یہ حدیث مشرح ابن ہاعان ہی سے مروی ہے۔ اور مشرح بن ہاعان کے متعلق تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں بحوالہ امام ابن حبان لکھا ہے کہ وہ ضعیف راوی ہے۔ اور جو حدیث صرف اسی کے واسطہ سے پہنچے اسے ترک کرنا مناسب ہے۔ اور حضرت امام ملا علی قاری نے موضوعات کبیر صفحہ ۴۹ میں اس حدیث کا ذکر کرکے لکھا ہے " اگر حضرت عمرؓ نبی ہوجاتے تو باوجود نبی ہونے کے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تابعین میں سے ہوتے۔ اور خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آپؐ کے بعد ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی ملت کو منسوخ کرے اور آپ کی امت سے نہ ہو۔

لو کان بعدی نبی لکان عمر
کا
صحیح مطلب

اصل بات یہ ہے کہ بعدی کے معنے پر غور نہیں کیا گیا۔ عربی زبان میں بعد کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ (۱) کبھی یہ ضد قبل کے معنوں میں آتا ہے چنانچہ اقرب الموارد میں جو عربی زبان کی مشہور ڈکشنری ہے لکھا ہے:۔ " بعدُ نقیضُ قبلُ وقد یرد بمعنی مَعَ "

بعد قبل کی نقیض ہے اور کبھی یہ مَعَ کے معنوں میں بھی آتا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل شعر میں بمعنی مع استعمال ہوا ہے ؂

نقلت لها فيئ اليك فانثنى   حرام و انى بعد ذالك لبيب

اس لحاظ سے حدیث کے یہ معنے ہوئے کہ اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا نبی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے۔

(۲) کبھی بعد کا لفظ درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے استعمال ہوتا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کے بعد بنی آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔

"واجودھم من بعدی رجل علم علما فنشرہ"

(مشکوۃ مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۹)

پھر میرے بعد درجہ و مرتبہ کے لحاظ سے بنی آدم میں سے سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے جس نے علم سیکھا۔ اور لوگوں میں پھیلا دیا۔

(۳) اس کے علاوہ بعد کا لفظ غیر اور سوٰی کے معنوں میں بھی آتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے :-

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ (فاطر ع۱)

یعنی جس خیر کو اللہ تعالےٰ روک لے تو اسے اس کے سوا اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ اور تفسیر جلالین جلد ۲ صفحہ ۲۹ مطبوعہ مصر میں آیت لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي کی تفسیر میں بعدی کے معنے سوائی (میرے سوا) لکھے ہیں اور آیت فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ کے معنے بھی اللہ کے سوا کے ہیں۔

پس بعد کے ان دونوں معنوں کے لحاظ سے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے سوا کوئی اور نبی بنایا جاتا۔ تو حضرت عمرؓ اس کے لائق تھے۔ کہ وہ نبی ہوتے اور احادیث میں حضرت عمرؓ کے بعض ارادے

متعلق ذکر آتا ہے۔ کہ وہ بالکل قرآن مجید کے موافق ثابت ہوئیں۔
اور اس سے آنحضرت صلعم کا مقصد صرف حضرت عمرؓ کی تعریف کا اظہار ہے کہ وہ بہت صائب الرائے اور عالی دماغ ہیں۔ اس میں ختم نبوت کا اظہار مقصود نہیں چنانچہ ان معنوں کی تائید ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ"
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹)
کہ اے عمرؓ اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا۔ تو تم مبعوث کیے جاتے
دوسری روایت میں ہے۔ "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْکُمْ"
(کنوز الحقائق صفحہ ۱۰۳)
اے لوگو! اگر میں مبعوث نہ کیا جاتا۔ تو عمرؓ تم میں مبعوث کیے جاتے
اور تاریخ الخلفاء میں امام سیوطیؒ نے اس حدیث کو حضرت ابوبکرؓ سے روایت کیا ہے۔ اور کنوز الحقائق میں یہ حدیث اس طرح بھی مروی ہے۔ "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثَ بَعْدِیْ عُمَرُ" کہ اگر میں نہ بھیجا جاتا۔ تو عمرؓ نبی بنا کر مبعوث کیے جاتے۔ اس روایت نے بعدی کے معنے بھی حل کر دیئے۔ کہ بعد سے مراد آپ کی ذات کے بعد نہیں۔ بلکہ اس کے معنے ہیں۔ آپ کے مبعوث نہ ہونے کی صورت میں حضرت عمرؓ مبعوث کیے جاتے۔
(۱۰) دسویں حدیث کا جواب ۷ کے ضمن میں آچکا ہے۔
(۱۱) گیارھویں حدیث مولانا نے بحوالہ ابوداؤد و ترمذی یہ پیش کی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرے بعد تیس یا تیس کے قریب کذاب دجال ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ

نبی ہے۔ حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔
خط کشیدہ الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔ اور ترمذی کی اسناد میں ابوقلابہ راوی ناقابلِ اعتبار ہے۔ وہ فقیہہ نہ تھا۔ اور لوگوں میں ابلہ مشہور تھا۔ اور وہ جن سے ملا اور جن سے نہ ملا۔ دونوں کے متعلق تدلیس کیا کرتا تھا (تہذیب التہذیب)

ترمذی نے اس طریق کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے یہ حدیث روایت کی ہے لیکن اس میں عبدالرزاق ایک راوی ہے جو شیعہ تھا۔ جو امام نسائی کے نزدیک ناقابلِ اعتماد اور عباس عنبری کے نزدیک وہ کذاب تھا۔ اور حدیثوں کا چور تھا۔ (تہذیب التہذیب) پھر یہ روایت اس نے معمر سے بیان کی ہے۔ اور میزان الاعتدال میں لکھا ہے امام دارقطنی کہتے ہیں۔ کہ وہ ان روایات میں غلطی کرتا تھا جو معمر سے لیکر بیان کرتا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الذین ضل سعیہم فی الحیٰوۃ الدنیا (میزان الاعتدال) اس طرح یہ روایت ابن عمر سے بھی مروی ہے اور ایک روایت میں عبداللہ بن عمر سے ستر کذاب کا آنا بھی مروی ہے جس کے متعلق نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں "در حدیث ابن عمر سی کذاب ...... ودر روایت از عبداللہ بن عمر نزد طبرانی است برپا نمی شود ساعت تا آنکہ بیروں آید ہفتاد کذاب وغیرہ عند ابی یعلیٰ من حدیث انس۔ حافظ ابن حجر گفتہ سند ایں ہر دو حدیث ضعیف است۔

(حجج الکرامہ ص ۲۲۳)

باوجودیکہ اس حدیث کی سند بھی ضعیف ہے اگر اسے صحیح بھی تسلیم

کیا جائے پھر بھی اس حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد قیامت تک جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ ضرور جھوٹا ہے کیونکہ آنیوالے
مسیح موعود کو خود حضورؐ نے نبی اللہ کے معزز لقب سے ملقب فرمایا ہے (صحیح مسلم) اور
تیس کی تعیین بھی بتا رہی ہے کہ کوئی سچا بھی آسکتا ہو۔

دوسرے اس حدیث کا مضمون آج سے قریباً پانچ سو سال پہلے پورا ہو چکا ہے
اور مذکورہ تیس دجال سب گذر چکے ہیں۔ جیسا کہ شرح مسلم میں لکھا ہے۔
"فَاِنَّهٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّاَ مِنْ زَمَنِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
لَبَلَغَ هٰذَا الْعَدَدَ"

(کہ اگر جھوٹی نبوت کے دعویداروں کا شمار کیا جائے (تو تیس) کی یہ
تعداد پوری ہو چکی ہے اور تاریخ اسلام سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص اسے جانتا ہے
اگر شرح کے لمبا ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان کے نام بھی لکھ دیتے (شرح مسلم
الابی مالکی و سنوسی جلد ۷ صفحہ ۲۵۸ مطبوعہ مصر)

حضرت بانی جماعت احمدیہ کے دعویٰ سے پہلے نواب صدیق حسن خاں
اپنی مشہور کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں :-
"بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجود دجالین کذابین دریں امت فرمودہ واقع
شدہ" (حجج الکرامہ ص ۲۳۹)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس امت میں کذاب دجالوں کے آنے کی خبر
دی تھی، وہ پوری ہو چکی ہے پس باوجودیکہ تیس کذابوں کی پیش گوئی اب سے صدیوں
پہلے پوری ہو چکی ہے اور اب سچے نبی کی آمد کا وقت تھا کیونکہ صبح کاذب کے بعد ہمیشہ
صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے جناب مولانا مودودی صاحب اور آنجناب کے دل و دماغ
سے مناسبت رکھنے والوں کی طبیعتیں امت محمدیہ میں دجالوں اور کذابوں کے ظہور کی تمنا

سے خالی نہ ہو سکیں۔ آنے والے مسیح موعود حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے ایسے
حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"بار بار یہی کہتے ہیں کہ ہم تم کو اس وجہ سے نہیں مانتے کہ ہماری حدیثوں
میں لکھا ہے، کہ تیس دجال آئیں گے۔ اے بدقسمت قوم! کیا تمہارے حصہ
میں دجال ہی رہ گئے۔ تم ہر طرف سے اس طرح تباہ کئے گئے جس
طرح ایک کھیتی کو رات کے وقت کسی اجنبی کے مویشی تباہ کر دیتے ہیں۔
تمہاری اندرونی حالتیں بھی بہت خراب ہو گئیں اور بیرونی حملے بھی انتہا کو
پہنچ گئے۔ صدی کے سر پر جو مجدد آیا کرتے تھے وہ بات شاید نعوذ باللہ خدا
کو بھول گئی کہ اب کی دفعہ اگر صدی کے سر پر بھی آیا تو بقول تمہارے ایک دجال
آیا تم خاک میں مل گئے مگر خدا نے تمہاری خبر نہ لی۔ تم بدعات میں ڈوب
گئے مگر خدا نے تمہاری دستگیری نہ کی۔ تم میں سے روحانیت جاتی رہی۔
صدق و صفا کی بُو نہ رہی۔ سچ کہو۔ اب تم میں روحانیت کہاں ہے
خدا کے تعلقات کے نشان کہاں؟ دین تمہارے نزدیک کیا ہے صرف
زبان کی چالاکی اور شرارت آمیز جھگڑے اور تعصب کے جوش اور اندھوں
کی طرح حملے۔ خدا کی طرف سے ایک ستارہ نکلا مگر تم نے اس کو شناخت
نہ کیا اور تم نے تاریکی کو اختیار کیا۔"

"اے افسوس ان نادانوں پر جنہوں نے مجھے شناخت نہ کیا۔ وہ کیسی تیرہ و
تاریک آنکھیں تھیں جو سچائی کے نور کو دیکھ نہ سکیں۔ میں ان کو نظر نہیں
آسکتا۔ کیونکہ تعصب نے ان کی آنکھوں کو تاریک کر دیا۔ دلوں پر زنگ
ہیں اور آنکھوں پر پردے۔ اگر وہ بھی تلاش میں لگ جائیں اور اپنے
دلوں کو کینہ سے پاک کر دیں۔ دن کو روزے رکھیں اور راتوں کو اٹھ کر

نماز میں دعا کریں۔ اور روئیں اور نعرے ماریں تو امید ہے کہ خدا نے کریم ان پر ظاہر کر دے کہ میں کون ہوں۔ چاہیئے کہ خدا کے استغنائے ذاتی سے ڈریں!!

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۵، ۱۲۷)

بارہویں حدیث مولانا مودودی صاحب نے بحوالہ بخاری یہ پیش کی ہے۔ لقد کان فیمن کان قبلکم من بنی اسرائیل رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء فان یکن من امتی احد فعمر (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں مکلمون کی بجائے محدثون کا لفظ ہے مگر مکلم اور محدث کے معنی ایک ہی ہیں کہ بنی اسرائیل میں جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ ایسے لوگ تھے جن سے کلام کیا جاتا تھا۔ بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ اگر میری امت میں سے کوئی ہوا تو عمر ہوگا۔" مولانا یہ ترجمہ کر کے لکھتے ہیں:۔

"اس سے معلوم ہوا کہ نبی ہی نہیں مکلم اور محدث بھی اب کوئی نہیں ہو سکتا۔ مولانا مودودی جیسے خشک منطقی اور عالم روحانیت سے بے بہرہ شخص ہی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام کی تعلیم پر دل و جان سے عمل کرنے والے اس لائق نہیں ہیں کہ خدا تعالیٰ ان سے ہم کلام ہو۔ فرشتے انہیں الہام کریں۔ مگر بنی اسرائیل میں کئی ایسے بزرگ مرد اور عورتیں ہوئیں جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوا۔ ان پر فرشتوں کا نزول ہوا۔ مگر اسلام میں کوئی ایسا شخص نہیں ہوگا جس سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو اور اسے اپنے لذیذ اور پر شوکت کلام سے مشرف کرے۔ یہ ہے عقیدہ مولانا مودودی صاحب کا جو اپنے آپ کو نبض شناس رسول اور مصلح اعظم اور نہ معلوم کیا کیا کچھ خیال کرتے ہیں۔ اور اس کی اصل وجہ یہ ہے۔ کہ

وہ باوجود دعوئ اصلاح کے روحانی انعامات کشوف اور مکالمات و مخاطبات الٰہیہ سے محروم ہیں۔ ورنہ جس شخص سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہوا ہو، وہ اس حدیث کا یہ مطلب کیونکر لے سکتا ہے کہ امتِ محمدیہ میں کوئی مکلّم اور محدّث بھی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شارحین حدیث نے اس کی تشریح میں صاف لکھا ہے۔ فان ذلک لیس للشک فان امتہ افضل الامم واذا کان موجودًا فیہم فبالاولیٰ ان یکون فی ھذہ الامۃ بل المراد التاکید۔

(حاشیہ بر بخاری بحوالہ کرمانی)

یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اگر میری امت میں کوئی مکلّم یا محدّث ہے، شک پر محمول نہیں کیونکہ آپ کی امت سب امتوں سے افضل ہے جب دوسری امتوں میں ایسے لوگ موجود تھے۔ تو اس امت میں ایسے اشخاص کا پایا جانا بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے بلکہ یہ الفاظ تاکید کے معنے دیتے ہیں کہ ایسا ضرور ہوگا۔

اسی طرح عربی زبان میں کہتے ہیں ان یکن لی صدیق فانہ فلان یعنی اگر میرا کوئی دوست ہے تو وہ فلاں شخص ہے اس سے مراد اس شخص کی کمال دوستی کا اظہار ہوتا ہے اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں مکلّم و محدّث ہوئے۔ اور میری امت میں بھی ضرور ہوں گے۔ چنانچہ عمرؓ یقیناً ان میں سے ایک ہے۔ چنانچہ محققین علماء نے اس حدیث کے یہی معنے کئے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ کو محدث قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابن الاثیرؒ جزری نے "النہایہ" حدیث کی ڈکشنری میں لکھا ہے

وہ محدّث کی تشریح میں اس حدیث کا ذکر کرکے لکھتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ بھی ان میں سے ایک ہیں جنہیں الہام کیا جاتا ہے۔

اس طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔ اعلم ایہا الاخ الصدیق ان کلامہ سبحانہ مع البشر قد یکون شفاھاً الخ یعنی اے عزیز بھائی جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا کبھی بالمشافہ ہوتا ہے۔ اور یہ انبیاء کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی ان کے بعض کامل متبعین سے بطور اتباع اور وراثت کے ہو جاتا ہے اور جب اس قسم کا کلام کثرت سے کسی کے ساتھ ہو تو اس کا نام محدّث ہوتا ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ تھے۔۔۔۔۔

(مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صـ۹۹)

علماء ربانی تو حضرت عمرؓ کو محدّث اور مکلّم قرار دیتے ہیں۔ اور نہایت واضح الفاظ میں امت محمدیہ کے بعض افراد کی مکالمہ و مخاطبہ الہیہ سے مشرف ہونا اور مکلّم و محدّث ہونا تسلیم کرتے ہیں لیکن برخلاف ان کے چودھویں صدی کے مولانا مودودی صاحب نہ صرف حضرت عمرؓ کے مکلّم و محدّث ہونے سے انکاری ہیں۔ بلکہ وہ اپنے دل میں اس نئے اور انوکھے استدلال پر فخر بھی محسوس کرتے ہیں۔ کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امت محمدیہ میں۔

"نبی ہی نہیں بلکہ مکلّم اور محدّث بھی کوئی نہیں ہو سکتا"۔

لیکن وہ مصلح ربانی جسے خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے اور اسلام اور قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی دنیا میں عظمت قائم کرنے کے لئے بھیجا یعنی حضرت بانئے جماعت احمدیہ فرماتے

ذیل:-

"خدا تعالیٰ نے امّتِ محمدیہ میں کہ جو سچے دین پر قائم اور ثابت ہے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کرتا ہے کہ خدا کی طرف سے ملہم ہو کر ایسے امورِ غیبیہ بتاتے ہیں جن کا بتانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ ...
اور خدائے تعالیٰ اس پاک الہام کو اپنے ایماندار وں کو عطا کرتا ہے جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا کلام جانتے ہیں۔ اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں حضرت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں دوسروں کو یہ الہام یعنی یہودیوں، عیسائیوں، آریوں، برہمنوں وغیرہ کو ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ ہمیشہ قرآن شریف کے کامل تابعین کو ہوتا رہا ہے۔ اور اب بھی ہوتا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔"

(براہین احمدیہ صفحہ ۲۱۵ حاشیہ ۱۱)

اور فرماتے ہیں "اور جو شربت موسیٰؑ اور مسیحؑ کو پلایا گیا۔ وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے اور نہایت لذت سے پیتے ہیں۔ اور پی رہے ہیں۔ اسرائیلی نور ان میں روشن ہیں بنی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔"

(براہین احمدیہ حصہ دوم ص ۲۴۷)

اور فرماتے ہیں:-

"اور وہ خاتم الانبیاء بنے مگر ان معنوں سے نہیں۔ کہ آئندہ اُن سے کوئی روحانی فیض نہیں ملے گا۔ بلکہ ان معنوں سے کہ وہ صاحب خاتم ہے۔ بجز اس کی مہر کے کوئی فیض کسی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کی امت کے لئے قیامت تک مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔

اور بجز اس کے کوئی نبی صاحب خاتم نہیں۔ ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لیے امتی ہونا لازمی ہے اور اس کی ہمت اور ہمدردی نے امت کو ناقص حالت میں چھوڑنا نہیں چاہا۔ اور ان پر وحی کا دروازہ جو حصول معرفت کی اصل جڑ ہے بند رہنا گوارا نہیں کیا۔ ہاں اپنی ختم رسالت کا نشان قائم رکھنے کے لیے یہ چاہا۔ کہ فیض وحی آپ کی پیروی کے وسیلہ سے ملے اور جو شخص امتی نہ ہو اس پر وحی الہٰی کا دروازہ بند ہو۔ سو خدا نے ان معنوں سے آپ کو خاتم الانبیاء ٹھہرایا۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷-۲۸)

ہم نے تمام ان احادیث پر جو مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ نمبر ۴ کے ذیل میں یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی تھیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اختصار کے ساتھ تبصرہ کر دیا ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ قارئین کرام پر اس مختصر تبصرہ سے مولانا مودودی صاحب کے استدلال کی غلطی واضح ہو جائے گی۔

ضمیمہ نمبر ۵

مفسرین کے اقوال

مولانا مودودی صاحب نے ضمیمہ ۵ میں اقوال مفسرین پیش کر کے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی موجودگی میں کسی عالم کا قول اگر وہ کلام اللہ اور

کلام رسول کے مخالف ہے قابل قبول نہیں ہو سکتا لیکن ہم علی وجہ البصیرت کہتے ہیں۔ کہ یہاں یہ بات نہیں۔ علمائے امت کے اقوال سے بھی ہر قسم کی نبوت کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہونا لازم نہیں آتا۔

مفسرین نے یہ تسلیم کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ ظاہر ہونگے اور وہ نبی ہوں گے اور ان کا نبی ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی نہیں۔ کیونکہ وہ آپ کی شریعت پر تابع ہونگے۔ اور ان کا قبلہ آپ کا ہی قبلہ ہوگا۔ اور آپ کی شریعت کے مطابق حکم کریں گے اس کے لیے ملاحظہ ہو مولانا مودودی صاحب کے پیش کردہ اقوال میں سے قول نمبر ۱۔ علامہ زمخشری کا قول اور نمبر ۳ قاضی بیضاوی کا قول اور نمبر ۴ حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی صاحب مدارک التنزیل کا قول اور نمبر ۵ علامہ جلال الدین السیوطیؒ صاحب تفسیر جلالین کا قول اور نمبر ۷ شیخ اسمٰعیل حقی صاحب تفسیر روح البیان کا قول۔

ظاہر ہے کہ اگر خاتم النبیین سے مراد ہر قسم کے نبیوں کے ظہور کا منقطع ہے تو قدیم نبیوں میں سے بھی کوئی نبی۔ آپ کے بعد نہیں آنا چاہیے۔ لیکن تمام مفسرین بالاتفاق یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں مسیح آئے گا۔ اور وہ نبی ہوگا۔ بعض مفسرین کا یہ استدلال کہ خاتم النبیین سے مراد یہ ہے کہ آئندہ کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا۔ البتہ پرانا نبی آسکتا ہے۔ ایک نہایت غیر معقول استدلال ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے اگر یہی معنے ہیں کہ آپ نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ کہ آپ کے بعد کسی قسم کا نبی نہ ہوگا۔ تو آپ کے بعد کوئی نیا نبی ہو یا پرانا نہیں آسکتا لیکن مفسرین اور خود مولانا مودودی صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عیسیٰ آئیں گے اور وہ نبی ہونگے۔

علماء نے کس قسم کی نبوت کو بند سمجھا

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ علماء کے نزدیک نبی اور رسول کی تعریف کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جو انبیاء آئے ان کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

وہ فرشتہ کے سامنے شاگرد کی مانند ہوتے تھے اور روح الامین انکے پاس شریعت لاتا تھا جس کے مطابق وہ عبادت وغیرہ کرتے تھے۔

"فیحل لھم ما شاء ویحرم علیھم ما شاء وما کان یلزمھم اتباع الرسل"

یعنی وہ ان کے لیے جو چاہتا حلال کرتا اور جو چاہتا حرام کرتا اور ان پر دوسرے رسولوں کی اتباع لازم نہیں تھی۔ (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۸)

اور نیز اس شرح شرح عقائد النسفی صفحہ ۹۹ میں رسول کی یہ تعریف کی گئی ہے

"رسول ایک انسان ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ کی تبلیغ کیلئے بھیجتا ہے اور کبھی اس کے لیے کتاب لانا بھی شرط ہوتا ہے بخلاف نبی کے کہ وہ عام ہے کتاب لائے یا نہ لائے۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں۔

"باید دانست کہ انبیاء علیہم السلام مامور میشوند بہ تبلیغ احکام بسوئے خواص وعام .... کہ از جانب حق جل وعلا بطریق وحی یا الہام امر تبلیغ احکام باایشان برسد" (منصب امامت صفحہ ۳)

اسی طرح رسول کی ایک تعریف یہ لکھی گئی ہے۔

ھو من لہ کتاب او نسخ لبعض الاحکام الشرعیۃ السابقۃ"

(شرح مقاصد جلد ۱ صفحہ ۱۲۸)

کہ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب ہو یا شریعت سابقہ کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور اس تعریف کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے نبی ہونے سے بکرات و مرات انکار کیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

"مگر چونکہ اسلام (یعنی اہل اسلام۔ ناقل) کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفاضہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور ہمارا کوئی رسول بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہے اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔" (الحکم جلد ۳ عدد ۲۹ ۱۸۹۹ء)

پس جن علماء سابق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی کے آنے سے انکار کیا ہے وہ صرف مذکورہ بالا معنوں کے لحاظ سے کیا ہے۔

مسیلمہ کذاب وغیرہ کی مثالیں

مذکورہ بالا بیان کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جن علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی اور رسول کی آمد بند سمجھی ہے انہوں نے مسیلمہ کذاب وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اور علامہ خفاجی نے شفا کی شرح میں مسیلمہ اور اسود عنسی کو بطور مثال پیش کیا ہے اس سے صاف ظاہر

ہے کہ علماء جس قسم کی نبوت کو نا جائز خیال کرتے تھے وہ وہی نبوت تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے نہ ہو بلکہ مسیلمہ کذاب کی نبوت جیسی ہو۔

مسیلمہ کذاب نے کس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا

مسیلمہ کذاب کس قسم کی نبوت کا مدعی تھا۔ اس کے متعلق نواب صدیق حسن خاں مرحوم اپنی کتاب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں :- کہ

اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور شراب اور زنا کو حلال قرار دیا۔ فریضہ نماز کو ساقط کر دیا۔ قرآن مجید کے مقابلہ میں سورتیں لکھیں پس شریر اور مفسد لوگوں کا گروہ اس کا تابع ہو گیا۔

(از حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۴ ترجمہ از فارسی)

اسی طرح جب خالد بن ولید ؓ ایک دوسرے مدعی نبوت طلیحہ کی طرف لشکر لے کر گئے تو آپ نے اس سے کہا۔ ہمارے خلیفہ کی ہمیں یہی وصیت ہے کہ تمہیں کلمہ شہادت کی طرف بلائیں تو اس نے جواب میں کہا۔ اے خالدؓ۔ اشھد ان لآ الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ۔ (المساوی والمحاسن جلد ۱ صفحہ ۲۳)

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً میں خدا کا رسول ہوں۔ گویا اس نے اپنا نیا کلمہ جاری کر دیا۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب یا معاً بعد مسیلمہ کذاب اور طلیحہ بن خویلد اور اسود عنسی وغیرہ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا تو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کلیتہً بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ اور ان سے جنگ کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اسلامی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ عمال کو قتل کیا۔

اور ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اور بہت سے مقامات پر بزور شمشیر قبضہ کر لیا۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"قریش اور ثقیف دو قبیلے تھے جو ارتداد سے بچے اور مسیلمہ کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا۔ اور قبیلہ طیّ اور اسد نے طلیحہ بن خویلد کی اطاعت قبول کر لی غطفان نے بھی ارتداد اختیار کیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیر یمن اور یمامہ وغیرہ علاقوں سے واپس لوٹے اور رپورٹ کی۔ کہ عرب کے بڑوں اور چھوٹوں نے اطاعت سے انکار کر دیا ہے۔

(تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۶۵ ترجمہ از عربی عبارت)

اب ہم مسیلمہ کذاب کے متعلق تاریخ طبری مترجم اردو (مطبوعہ حیدرآباد دکن) کے حصہ اول جلد چہارم سے چند کوائف لکھتے ہیں۔

(الف) اس نے بغاوت کی تھی۔ ص ۹۳

(ب) چالیس ہزار کا جرار لشکر تیار کیا تھا ص ۱۷

(ج) اس نے کہا کہ میں اپنی اور سجاح کی فوج کے ساتھ تمام عرب پر قبضہ کروں گا ص ۱۷

(د) اسلامی حکومت کے اندر یمامہ میں خود خراج وصول کرتا تھا ص ۱۷

(ہ) مسیلمہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں ایک خط لکھا جس میں لکھا کہ۔ نصف ملک میرا ہے اور آدھا ملک آپ کا۔ لیکن قریش حد سے بڑھ گئے ہیں۔ (تاریخ طبری مترجم اردو جلد اول حصہ سوم ص ۵۲۹)

(و) رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس نے حجر اور یمامہ سے آپ کے مقرر کردہ والی ثمامہ بن اثال کو نکال دیا۔ اور خود اس علاقہ کا حاکم بن گیا (تاریخ الخمیس جلد ۲ ص ۱۷۷)

(ذ) دو مدنی صحابیوں کو مرتد ہونے پر مجبور کیا۔ حضرت حبیب بن زید نے مرتد ہونے سے انکار کیا تو مسیلمہ نے ان کے اعضاء کو کاٹ کر آگ میں جلا دیا۔
(تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۷۱)

(ح) اس نے اپنے پیروؤں کو نماز معاف کر دی۔ شراب حلال کر دی۔ زنا کو جائز قرار دیا۔
(طبری مترجم جلد اول حصہ سوم صفحہ ۵۲۱ نیز سیرۃ ابن ہشام مترجم اردو مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور صفحہ ۴۶۴)

لیکن باوجود ان سب حقائق کے مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں:-
(۱) معتبر روایات سے یہ ثابت ہے کہ مسیلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار نہیں کیا تھا اور آپ کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ البتہ خود اپنی نبوت کا بھی مدعی تھا مگر اس کے باوجود وہ کافر اور خارج از ملت قرار دیا گیا۔
(۲) تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے مگر اس نیک نیتی کے باوجود صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہیں کیا۔ اور ان پر فوج کشی کی۔
(۳) مسیلمہ اور بنو حنیفہ کے خلاف صحابہ کرام کے جنگ کرنے کی وجہ نبوت تھی۔ نہ بربنائے خروج و بغاوت کیونکہ مسیلمہ کے پیروؤں کے خلاف فوج کشی کے آغاز میں ہی حضرت ابو بکرؓ نے یہ اعلان فرما دیا تھا۔ ان یسبی النساء والذراری ولا یقبل من احد غیر الاسلام۔ ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے گا اور ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی"۔

کیا مسیلمہ کبھی مسلمان ہوا تھا؟

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسیلمہ ہرگز کبھی مسلمان نہیں ہوا اور آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہیں لایا تھا۔ چنانچہ ابن کثیر نے صحیح بخاری کی دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جن میں یہ ذکر ہے کہ مسیلمہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں بہت سے لوگوں کو لیکر مدینہ منورہ آیا اور کہنے لگا۔

"ان جعل لی محمد الامر من بعد لا تبعته" (البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۴۹)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس سے ملے۔ تو اس نے کہا ان شئت خلیت بیننا و بین الامر ثم جعلتہ لنا بعدک"

(البدایہ والنہایہ جلد ۵ صفحہ ۵۰)

یعنی اگر آپ یہ وصیت کر دیں کہ آپ کے بعد خلافت وحکومت مسیلمہ کی ہوگی تو وہ آپ کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہے۔ اور مسلمان ہو جائے گا۔ اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس نے یہ بات کہی اس وقت آپکے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپؐ نے اسے یہ جواب دیا کہ اگر تو کھجور کی یہ شاخ بھی مجھ سے مانگے تو میں تجھے نہ دونگا۔ اور اگر تو نے پیٹھ پھیری۔ تو خدا تجھے ہلاک کرے گا۔ اور خدا نے ملے نے جو مجھے دکھایا ہے وہ تیرے بارہ میں ہے آپ اتنی بات کہہ کر تشریف لے گئے۔ جب حضرت ابن عباس نے اس رؤیا کے متعلق دریافت کیا۔ تو ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ کہ آپ نے خواب میں دیکھا تھا۔ کہ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن ہیں۔ جس سے مجھے بہت فکر دامنگیر ہوئی۔ تو مجھے خواب میں وحی کی گئی کہ انہیں پھونک مارو۔ جب میں نے پھونک ماری تو دونوں اڑ گئے اور میں نے ان کی یہ تاویل کی۔ کہ دو کذاب میرے خلاف کھڑے ہونگے ان میں سے ایک اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ۔

صحیح بخاری کی یہ احادیث صاف بتاتی ہیں کہ مسیلمہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے جو شرط لگائی تھی۔ وہ آپ نے تسلیم نہیں کی

اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے سے یہ علم دے دیا تھا کہ یہ شخص کذاب ہوگا اور آخر کار ہلاک ہوگا۔ پس نہ اس نے حضور کی بیعت کی۔ اور نہ آپ کی رسالت پر ایمان لایا۔

پھر ابن کثیر نے ابن اسحٰق کی دو روایتیں درج کی ہیں۔ کہ مسیلمہ کو رحمان الیمامہ کہتے تھے اور جب وہ قتل کیا گیا اس وقت اس کی عمر ایک سو پچاس سال تھی۔ اور یہ کہ اس کے پاس پہاڑ سے ایک بکری آتی تھی جس کا وہ دودھ دوہا کرتا تھا۔

دوسری روایت بنو حنیفہ کے ایک شیخ سے روایت کی ہے جس کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ مسیلمہ نے شراب اور زنا کو حلال قرار دیا۔ اور ان سے نماز معاف کردی۔ وہ مع ھذا اشھد لرسول اللہ بانہ نبی۔ اور باوجود اس کے اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا کہ وہ نبی ہے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۵۱)

یہ دونوں روایتیں ناقابلِ اعتبار اور ضعیف ہیں۔ کون عقلمند مان سکتا ہے کہ مسیلمہ کی عمر اس وقت ایک سو پچاس سال تھی۔ اس نے جس رنگ میں کمانڈ کی اور خود لڑا اور سجاح سے اس کی شادی اور اس کے قتل کا واقعہ صاف بتا رہے ہیں۔ کہ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ مولانا مودودی صاحب ایسی روایات کو معتبر قرار دیں۔ تو دیا کریں۔ لیکن کوئی ان روایات کی حقیقت سے واقف انہیں کسی طرح معتبر قرار نہیں دے سکتا۔ چنانچہ علامہ قسطلانی اپنی کتاب مواہب اللدنیہ میں صحیح بخاری کی پہلی روایات درج کرکے لکھتے ہیں کہ یہ ابن اسحاق کی روایت کے مخالف ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب اسلام نہیں لایا تھا۔

"فالجواب ان المصیر الی ما فی الصحیح اولیٰ"
یعنی صحیح بخاری میں جو آیا ہے اس کی طرف رجوع کرنا اولیٰ ہے۔

اور علامہ محمد بن عبد الباقی الزرقانی المالکی مواہب اللدنیہ کی شرح میں اس پر لکھتے ہیں۔

"ولصحة اسناده بخلاف ابن اسحٰق فضعیف منقطع ولم یسم راویه" "کیونکہ بخاری کی حدیث کی اسناد صحیح ہے اور برخلاف اس کے ابن اسحاق کی روایت ضعیف اور منقطع ہے۔ کیونکہ اس نے اس کے راوی کا نام نہیں لیا" (زرقانی شرح مواہب جلد ۴ صفحہ ۲۴-۲۵)

اور حافظ ابن حجر العسقلانی بخاری کی شرح میں اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں۔ "ویستفاد من هذه القصة ان الامام یاتی بنفسه الی من قدم یرید لقاءه من الکفار" (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۷۵)

کہ اس واقعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کفار میں سے جو ملاقات کے لیے آئے تو امام اس کے پاس خود جا کر مل سکتا ہے۔ اگر مسیلمہ کذاب اس وقت کافر نہ ہوتا تو اس واقعہ سے اس مسئلہ کا استنباط درست نہیں ہو سکتا۔ الغرض صحیح بخاری کی احادیث سے ظاہر ہے کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت کافر تھا اور اس کے بعد اس کا اسلام لانا ثابت نہیں۔

مسیلمہ کذاب کا خط

یہ ثابت کرنے کے لیے کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کرتا تھا۔ مولانا مودودی صاحب نے ان کا وہ خط پیش کیا ہے جو اس نے

آنحضرت صلعم کو لکھا تھا اور آپؐ نے اس کے الفاظ فانی قد اشرکت فی الامر معک کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ امر نبوت میں شریک کیا گیا ہوں۔ گو بعض نے ایسا ہی لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ امر سے اس کی مراد حکومت تھی ورنہ نبوت میں تو شراکت کے کوئی معنے ہی نہیں۔ اور مسیلمہ کذاب نے اپنے خط میں اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ کہ آدھا ملک ہمارا ہے اور آدھا ملک آپ کا لیکن قریش حد سے تجاوز کر رہے ہیں اور اس کا جو جواب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیا۔ وہ یہ تھا ان الارض للّٰہ یورثہا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین" کہ زمین کا مالک تو اللہ ہی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے وارث کر دیتا ہے اور انجام متقیوں کیلئے ہے کیا اس سے ظاہر نہیں ہوتا کہ امر سے اس کی مراد حکومت کے معاملہ میں شراکت تھی کیونکہ نبوت تو اس کے نزدیک حصول حکومت کا صرف ایک ذریعہ تھی۔ اور مودودی صاحب نے خط کے آخری حصہ کا اسی لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ ان کے مفید مطلب نہیں تھا۔

علامہ ابن کثیر نے خط کا جو مضمون لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"فانی قد اشرکت فی الامر معک فان لنا نصف الامر ولقریش نصف الامر"

(البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۵۱)

اور یعنی نصف امر ہمارا ہے اور نصف امر قریش کا اور اس سے بکمال وضاحت ظاہر ہے کہ امر سے اس کی مراد حکومت ہی تھی۔ ایک اور روایت میں امر کی جگہ ارض کا لفظ ہے یعنی آدھی زمین ہماری ہے اور آدھی قریش کی اسی طرح بخاری کی حدیث میں مسیلمہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ

"ان جعل لی محمد الامر من بعدہ تبعتہ" (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۵۰)

یعنی اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) امر کو اپنے بعد میرے لئے کر دیں۔ تو میں اس کی پیروی کر سکتا ہوں صاف بتا رہے ہیں کہ امر سے اس کی مراد حکومت و خلافت تھی نہ کہ نبوت کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کے اس کے لئے کر دینے کے کوئی معنے نہیں مسیلمہ کذاب کے من مسیلمۃ رسول اللّٰہ الی محمد رسول اللّٰہ لکھنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا کیونکہ اس نے نبوت کے دعوٰی کو تو حصول حکومت کے لیے ایک بہانہ بنایا تھا ورنہ فی الحقیقت تو وہ خود اپنے آپ کو بھی نبی کہاں سمجھتا تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی سمجھتا۔ اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسی لحاظ سے رسول اللہ کہا ہے جس لحاظ سے اپنے آپ کو رسول اللہ کہا ہے۔ وہ اپنے آپکو درجہ اور مرتبہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے برابر ظاہر کرنا چاہتا تھا نہ اسلیے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو واقعی اللہ کا رسول مانتا تھا مگر جناب مولانا مودودی صاحب کو اصرار ہے کہ اس کا دعوٰی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی مانکر نبوت کا تھا اور جناب مولانا کا یہ اصرار اسلیے ہے کہ مسیلمہ نے اپنے خط میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ لکھا تھا۔ وہ مندرجہ بالا تحریروں اور مسیلمہ کی ناملم انکار کرتوتوں سے ظاہر ہے مگر ہم خود سمجھتے ہیں کہ منافقین جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر آپ کے رسول اللہ ہونے کی شہادت دیتے تھے ان کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے" واللّٰہ یشھد ان المنافقین لکاذبون۔"

کہ اللہ تعالےٰ گواہی دیتا ہے کہ منافقین اس دعوٰی میں کہ وہ آپکو خدا تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں۔ یقیناً جھوٹے ہیں۔ اسی طرح یہود کا قول قرآن مجید میں درج ہے۔ "انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللّٰہ۔"

کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے حالانکہ وہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ نہیں مانتے تھے ورنہ قتل کیوں کرتے اسی رنگ میں مسیلمہ نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ لکھ دیا ورنہ فی الحقیقت وہ آپ کو خدا تعالیٰ کا رسول نہیں مانتا تھا۔

اس امر کی صداقت ابن النواحہ اور ابن اثال کے بیان سے بھی ہوتی ہے جو مسیلمہ کذاب کا مذکورہ بالا خط لیکر آئے تھے کیونکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتا تھا تو اس کے دونوں ایلچی بھی آنحضرت صلعم کی رسالت کے قائل ہوتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب ان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اتشھدان انی رسول اللہ کیا تم دونوں گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ فقالا نشھد ان مسیلمۃ رسول اللہ فقال رسول اللہ امنت باللہ ورسلہ ولوکنت قاتلا رسولا لقتلتکما۔ (البدایۃ والنہایۃ جلد ۵ ص ۵۲)

تو دونوں نے جواباً کہا کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتا ہوں اور اگر میں کسی سفیر یا ایلچی کو قتل کرتا تو تمہیں ضرور قتل کر دیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان نہ رکھتے تھے۔

(۲) مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ ہے کہ بنو حنیفہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے مگر اس نیک نیتی کے باوجود صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کو مسلمان تسلیم نہ کیا۔ اس میں نیک نیتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ ایسے وہ بیرو جو پہلے مسلمان بھی تھے مرتد ہو چکے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بیزاری کا اعلان کر چکے تھے۔ اور نمازیں چھوڑ چکے تھے اور شراب زنا

کو جائز خیال کرتے تھے۔ اور قرآن مجید کے مقابلے میں مسیلمہ کی خرافات کو پیش کرتے تھے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا جوا اتار کر اپنی آزاد بادشاہت کا اعلان کر چکے تھے۔ اور ان کی نیک نیتی کا یہ حال تھا کہ اس کے پیرو طلحۃ النمیری نے جب مسیلمہ سے گفتگو کرنے کے بعد کہا تو ہے تو جھوٹا اور محمد صادق ہے۔ "ولکن کذاب ربیعۃ احب الینا من صادق مضر"

(طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ حسینیہ مصر)

لیکن ربیعہ کا کذاب ہمیں قبیلہ مضر کے صادق سے زیادہ پسند ہے پھر مسیلمہ کذاب کے پیروؤں کی نیک نیتی رجال بن عنفوہ کے حال سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جس کے متعلق خود مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس نے بنو حنیفہ کو یقین دلایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو شریک فی الامر کیا ہے نیز جو قرآن اس کو یاد تھا اسے اس شخص نے مسیلمہ پر نازل شدہ کلام کی حیثیت سے بنو حنیفہ کے سامنے پیش کیا۔"

ماشاء اللہ اس قسم کے جھوٹے اور کذاب شخص ہیں جو مسیلمہ کے پیرو تھے جن کے متعلق مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ اس پر ایمان لائے تھے۔

(۳) مولانا مودودی صاحب کا یہ دعویٰ کہ مسیلمہ اور بنو حنیفہ کے خلاف صحابہ کرام کی جنگ بربنائے دعوئی نبوت نہ تھی نہ خروج بغاوت کیونکہ مسیلمہ کے پیروؤں کے خلاف فوج کشی کے آغاز میں ہی حضرت ابو بکرؓ نے یہ اعلان فرما دیا تھا: ان یسبی النساء والا یقبل من احد غیر الاسلام"

ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔ اور ان سے اسلام کے سوا اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے گی۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۱۶)

مولانا مودودی صاحب کی یہ دیدہ دلیری تعجب انگیز ہے اگر ان کے متعلق چیرہ دلاور است دزدے بکف چراغ دارد والی مثل استعمال کی جائے تو بالکل بجا ہوگا۔ یہ خط ہرگز ہرگز مسیلمہ اور اس کے پیروں کے متعلق نہیں لکھا گیا تھا۔ البدایہ والنہایہ میں یہ لکھا ہے کہ سب لشکروں کے افراد کو آپ نے خط لکھ کر دیا تھا۔ اور بطور نمونہ اس خط کا وہ مضمون درج کیا گیا ہے جو اہل ربذہ کو لکھا تھا۔ اس میں آپ نے فرمایا۔ کہ میں فلاں شخص کو مہاجرین اور انصار اور تابعین کا لشکر دے کر بھیج رہا ہوں۔ اور میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ کسی سے ایک خدا پر ایمان لانے کے سوا کوئی چیز قبول نہ کرے۔ اور اسے قتل نہ کرے جب تک کہ اسے خدا تعالیٰ کی طرف دعوت نہ دے لے اگر وہ یہ امر مان لے اور اقرار کرے اور نیک عمل کرے تو اس سے قبول کیا جائے اور اس کی اعانت کی جائے اور اگر انکار کرے تو اس سے جنگ کی جائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور ایسے لوگوں پر جو قبضہ میں آجائیں رحم نہ کیا جائے اور انہیں آگ میں جلایا جائے۔ اور بری طرح انہیں قتل کیا جائے اور یہ کہ ان کی عورتیں اور بچے قید کئے جائیں۔ اور ان سے سوائے اسلام کے اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔

اس خط کے مضمون کو پڑھنے اور پھر مولانا مودودی صاحب کی تحریر پر نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحب نے تقویٰ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنے من گھڑت نظریے کی تائید کے لیے اس میں حد درجہ تحریف سے کام لیا ہے اگر یہ درست ہے جو انہوں نے لکھا ہے کہ مسیلمہ اور اس کے پیروؤں کے ساتھ جنگ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنانا، نبوت کے دعویٰ کی بنا پر تھا تو پھر اہل ربذہ اور دوسرے مقامات کے لیے جہاں کوئی مدعی نبوت نہ

تھا یہ سزا کیوں تجویز کی گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ مسلمان نہ تھے جو ان میں سے پہلے مسلمان ہوئے تھے وہ بھی اسلام کو خیر باد کہہ چکے تھے۔ اور مرتد ہو چکے تھے پس ان کی حالت وہی ہو گئی تھی جو اسلام سے پہلے دیگر کفار عرب کی تھی اور اسی وجہ سے ان کے لیے یہ شرط لگائی گئی تھی کہ ان سے سوائے اسلام کے اور کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ اور یہ بھی تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ وہ خط جو خالد بن ولید کو بھیجا گیا تھا جس میں یہ روایت تھی۔ وہ ان کو اس وقت پہنچا تھا جبکہ وہ بنو حنیفہ سے مصالحت کر چکے تھے۔ وصالحہم خالد علی الذھب والفضۃ والسلاح ونصف السبی وقیل ربعہ (کامل لابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۱۴۶)

کہ خالد نے سونے چاندی اور ہتھیاروں اور نصف قیدی اور ایک قول ہے کہ ربع قیدیوں پر صلح کر لی تھی۔ اگر حضرت ابو بکرؓ نے پہلے ہی سے مسیلمہ کذاب کے پیروؤں کے لیے یہ اعلان کیا ہوتا تو حضرت خالدؓ کو اس کا پتہ ہونا چاہیئے تھا لیکن انہیں اس وقت پتہ لگا جبکہ وہ بنو حنیفہ پر غلبہ پا کر ان سے صلح بھی کر چکے تھے اور ۳/۴ حصہ ان کا چھوڑ چکے تھے۔ اور ابن کثیر نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ خالد نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی۔ فاسلموا عن آخرھم ورجعوا الی الحق۔ کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے اور حق کی طرف رجوع کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۶ صفحہ ۳۲۵)

اور بعض قیدیوں کو خالدؓ نے واپس کر دیا۔ اور باقی حضرت ابو بکرؓ کی طرف بھیج دیئے۔ اور حضرت علیؓ نے ان میں سے ایک عمارہ عورت کے ساتھ شادی کی۔

یاد رہے کہ خط کے الفاظ میں تسبی النساء والذراری کے الفاظ ہیں اور غالب طور پر سبی کا لفظ قیدی عورتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اساری

کا لفظ مرد قید ہوں کے لیے اس میں غلام اور لونڈیاں بنانے کا ذکر نہیں بلکہ تسبی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اور یہی فیصلہ بنو قریظہ کے حق میں بھی ہوا تھا جنہوں نے خلاف معاہدہ مسلمانوں سے غزوۂ احزاب کے موقعہ پر غداری کی تھی۔ چنانچہ سعد بن معاذ کے فیصلہ کے الفاظ یہ ہیں۔ ان تقتل المقاتلة وتسبی النساء والذرية وان تقسم اموالھم۔" (بخاری کتاب المغازی)

کہ ان میں سے لڑنے کے قابل مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔ اور ان کے اموال بانٹ دیئے جائیں۔

پس یہ خیال کہ مسیلمہ کے دعوئ نبوت کی وجہ سے بنو حنیفہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ان کے اموال بطور غنیمت اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنائی جائیں۔ مولانا مودودی صاحب کا ایک زاد ہم ہے۔

ضمیمہ نمبر ۱

ضمیمہ ملا میں مولانا مودودی صاحب نے بعض علماء کے اقوال یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کیے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہے یا دعوئ نبوت کرے تو وہ کافر ہے۔ اس کے متعلق بھی ہمارا جواب یہی ہے۔ کہ ان کی مراد نبوت سے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی والی نبوت تھی۔ اس وقت میں طوالت کے خوف سے تمام اقوال کے متعلق تفصیل سے بحث نہیں کرتا۔ مگر بعض کے متعلق اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) پہلا قول میرے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کی طرف غلط طور پر منسوب کیا گیا ہے
کیونکہ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ابن صیاد
ایک یہودی تھا جو رسالت کا مدعی تھا اس سے خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
نے اس کے دعویٰ کے متعلق دریافت فرمایا جب آپ نے اس سے دریافت کیا کہ
کیا تو شہادت دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اس نے جواب دیا کہ آپ امیوں
کے رسول ہیں اہل کتاب کیلئے نہیں۔ پھر اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
سے پوچھا اتشہد انی رسول اللہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں خدا کا
رسول ہوں تو آپ نے جواب دیا آمنت باللہ و رسلہ کہ میں تو اللہ
تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کو مانتا ہوں۔ پھر آپ نے اس سے وحی وغیرہ
کے متعلق دریافت کیا۔ کہ اسے خبر کیسے ملتی ہے تو آپ نے اس کے جوابات
سے نتیجہ نکالا کہ یہ شخص صادق نہیں ہے (بخاری جلد اول صفحہ ۲۱۹ مطبوعہ دہلی)
پس جب خود حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مدعی رسالت سے
اس کے دعویٰ کے متعلق سوال و جواب کیے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کیسے کہہ سکتے
تھے کہ جو شخص آپ کے بعد مدعی نبوت سے اس کے دعویٰ کے متعلق دریافت
کرے تو کافر ہوگا۔ دوسرے اور تیسرے قول میں وحی کے منقطع ہونے کا بھی ذکر ہے
اور ہم پہلے شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی اور علامہ ابن حجر الہیتمی اور دیگر ائمہ کے
اقوال سے ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے کامل افراد وحی
کی نعمت سے متمتع ہوں گے اور حدیث میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صریح فرمان بھی
موجود ہے کہ مسیح موعود کی طرف اللہ تعالیٰ وحی کرے گا۔ پس یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے بعد [illegible] ہو گئی۔ حدیث اور بزرگان سلف کے اقوال
کے خلاف [illegible] ہے۔ بلکہ [illegible] سے مراد وحی تشریعی ہی [illegible]

جانے پر صاحب شریعت انبیاء کو ہوتی رہی ہے۔

نمبر: قول مولانا مودودی صاحب نے امام غزالیؒ کا بحوالہ کتاب الاقتصاد ص۱۱۳ یہ قول کہا ہے اور اس کی نقل کرنے میں جناب موصوف نے دیانت کو بالکل خیرباد کہہ دیا ہے آپ امام غزالیؒ کی طرف منسوب کرکے لکھتے ہیں:۔

"ان الامة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ انه افهم عدم النبي بعده ابدا وعدم رسول بعده وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص فكلامه من انواع الهذيان لا يمنع الحكم تكفيره لانه مكذب لهذا النص الذي اجمعت الامة على انه غير مأول ولا مخصوص"۔

حالانکہ الاقتصاد صفحہ ۱۱۳ میں لیس فیہ تاویل ولا تخصیص کے بعد وہ عبارت جن کے نیچے ہم نے خط کھینچ دیا ہے ہرگز موجود نہیں اور اگر ہے تو جناب مولانا کو الاقتصاد صفحہ ۱۱۳ میں ان کی موجودگی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ اور جب تک ثبوت نہ دیا جائے بجز اس کے اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے کہ جناب مولانا نے محض اپنی مطلب براری کے لیے الاقتصاد صفحہ ۱۱۳ میں مذکورہ عبارت اپنی طرف سے شامل فرمائی ہے۔

اس جگہ امام غزالی رحمہ اللہ اجماع کے متعلق بحث کرتے ہیں اور اس سے چند سطر پہلے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکرؓ کے وجود اور آپ کی خلافت کا انکار کرے تو ایسے قائل کی تکفیر لازم نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ اصول دین میں سے کوئی اصل نہیں ہے جس کی تصدیق ضروری ہو۔ بر خلاف حج، نماز، اور ارکان اسلام کے ولسنا نکفره لمخالفة الاجماع فان لنا نظرا فی تکفیر النظام المنکر لاصل الاجماع لان الشبه کثیرة فی کون الاجماع حجة" (الاقتصاد ص۱۱۲-۱۱۳)

یعنی ہم اسے اجماع کی مخالفت کی وجہ سے کافر نہیں کہیں گے کیونکہ ہمیں نظام کی تکفیر میں بھی
تامل ہے جو سرے سے اصل اجماع کا منکر ہے پھر اس امر پر بحث کرتے ہوئے لکھتے
ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول آسکتا ہے تو اس کا تو مقابل بحث
کے وقت اجماع سے دلیل پکڑا جائیگا۔ اور لا نبی بعدی اور اللہ تعالیٰ کے قول خاتم النبیین
کو بطور سند پیش کریگا تو قائل نبوت بعد آنحضرت صلعم خاتم النبیین کی یہ تاویل کرے گا کہ
النبیین سے مراد اولوالعزم رسول ہیں۔ اگر وہ یہ کہیں کہ النبیین کا لفظ عام ہے تو
عام کی تخصیص کوئی بعید نہیں ہے اور وہ لا نبی بعدی کے متعلق کہیگا کہ یہاں نبی سے
مراد رسول نہیں کیونکہ نبی اور رسول میں فرق ہے نبی کا رتبہ رسول سے بڑا ہے اور اسی قسم کی
از قبیل ہذیان تاویلیں کرے گا لیکن یہ اور اس کے امثال کے متعلق مجرد لفظوں کے لحاظ سے
استحالہ کا دعویٰ نہیں کر سکتے (کہ ایسی تاویلیں مستحیل ہیں) کیونکہ ظواہر التشبیہ کی تاویل میں
ہم نے ان سے بھی بعید احتمالات کے ساتھ فیصلہ کیا ہے اور ایسا کرنا نصوص کو باطل کرنے والا نہیں سمجھا گیا

ولکن الرد علی ھذا القائل ان الامۃ فھمت بالاجماع من
ھذا اللفظ (آگے دو لفظ پڑھے نہیں گئے) انہ افھم عدم نبی
بعدہ وعدم رسول اللہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولا
تخصیص فمنکر ھذا لا یکون الا منکر الاجماع۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۱۱۳ مطبع حجازی بالقاہرہ)

لیکن اس قائل کی بات کا اس دلیل سے رد کرنا کہ امت بالاجماع اس لفظ سے
یہ سمجھی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی رسول نہیں آسکے گا۔ اور یہ کہ اس میں
کوئی تاویل اور تخصیص نہیں ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کو منکر اجماع کا منکر کہا جائیگا۔
اور اس سے پہلے امام غزالی رحمۃ اللہ ثبت کر چکے ہیں کہ اجماع کے انکار سے
کفر لازم نہیں آتا۔ اسلئے خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی تاویل کرکے آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول کے آنے کو جائز قرار دینے والا منکر اجماع ہونے کے لحاظ سے کافر نہیں ہوگا۔ لیکن مولانا مودودی صاحب فرماتے ہیں، کہ امام غزالی رحمۃ اللہ اسے نفی کا منکر قرار دے کر اسے کافر قرار دے رہے ہیں۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

چونکہ یہ بات جو امام غزالیؒ نے ختم نبوت کے عقیدہ کے متعلق یہاں لکھی ہے وہ تجویز نبوت بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کالنہ کا رنگ رکھتی تھی اس لئے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:-

"قاضی ابن الطیب نے اپنی کتاب الہدایہ میں آیت خاتم النبیین کے الفاظ میں احتمال کے جواز کا جو ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہے۔"

"وما ذکرہ الغزالی فی ھذہ الآیۃ وھذا المعنی فی کتابہ الذی سماہ بالاقتصاد الحاد عندی وتطرق خبیث الی تشویش عقیدۃ المسلمین فی ختم محمد صلی اللہ علیہ وسلم النبوۃ فالحذر الحذر منہ۔"

(تفسیر قرطبی جز ۱۴ صفحہ ۱۹۶-۱۹۷)

اور آیت خاتم النبیین کے متعلق جو معنی امام غزالیؒ نے اپنی کتاب اقتصاد میں بیان کئے ہیں وہ میرے نزدیک الحاد اور مسلمانوں کے عقیدہ در بارہ ختم نبوت بعد آنحضرت صلے [illegible] مشوش کرنے کے لئے ایک خبیث راستہ [illegible] ہے اور اس سے بچ کر رہنا چاہیئے۔

پس اگر [illegible] تاویل کا [illegible] مطلب ہوتا جو مولانا مودودی صاحب نے لیا [illegible] ذکر کی ہے تو علامہ قرطبی کو اسے الحاد کہنے کا کیا حق [illegible] کی عبارت میں خاتم النبیین [illegible] سعدی کی تاویل [illegible]

کو کافر اور نص آیت کا منکر نہیں گردانا گیا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ خود علامہ قرطبی نے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ حدیث پیش کی ہے۔ لا نبوۃ بعدی الا ما شاء اللہ قال ابو عمر یعنی الرؤیا التی ھی جزء منھا واللہ اعلم۔ کہ میرے بعد نبوت نہیں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ ابو عمر نے مستثنیٰ نبوت سے رؤیا مراد لیا ہے کیونکہ وہ بھی نبوت کی ایک جز ہے

گویا جزئی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پائی جائے گی اور نبوت سے صرف رؤیا مراد لینا خود ایک بعید تاویل ہے۔ حدیث کے صاف معنی یہ ہیں کہ میرے بعد ایک ایسی نبوت ہوگی جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جو مطابق دوسری روایت مبشرات یعنی رؤیا مکاشفات اور مکالمات الٰہیہ پر مشتمل ہوگی۔ شرعی نبوت نہ ہوگی بہرحال آنحضرت صلعم کے بعد ایک قسم کی نبوت کا جواز اس حدیث سے بھی نکلتا ہے۔

پانچویں قول میں عیسیٰ بن مریم کے بطور نبی آنے کا ذکر موجود ہے۔ اور چھٹا قول حافظ ابن کثیر کا ہے اور انہوں نے اپنی تفسیر میں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی مثال دے کر مسدود نبوت کی وضاحت کر دی ہے اسی طرح قول نمبر ۸-۹-۱۰ و ۱۱ میں بھی ایسی ہی نبوت کے دعویٰ کا ذکر ہے۔ اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ جن ائمہ اور علماء کی عبارتیں دوسری قسم کی نبوت کی طرف بھی گئی ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے نتیجہ میں ہو اور آپ کی شریعت کو منسوخ کرنے والی نہ ہو تو انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

مثال کے طور پر ہم امام ملا علی قاری کو لیتے ہیں جو حنفی کے ایک مشہور امام ہیں اور جناب مودودی صاحب نے امام ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ ہے۔

باجماع امّت کفر ہے۔ حالانکہ امام موصوف نے اپنی کتاب موضوعاتِ کبیر میں
صاف طور پر لکھا ہے کہ اگر ابراہیم (فرزند آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم) زندہ رہتے
اور نبی ہو جاتے اسی طرح حضرت عمرؓ بھی نبی ہو جاتے تو بھی وہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی پیروی میں رہتے۔ جیسا کہ حضرت عیسٰی اور حضرت خضر علیہما السّلام کے
متعلق ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ باوجود نبی ہونے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے پیرو ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ایسا ہونا خاتم النبییّن کے مخالف نہیں۔
کیونکہ خاتم النبییّن کے معنے یہ ہیں۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا
جو آپ کی ملّت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی امّت سے نہ ہو۔

پھر امام ملا علی قاری نے جیسا کہ ہم بحوالہ "الاشاعۃ" ذکر کر چکے ہیں لانبی
بعدی کی تشریح میں لکھا ہے۔ کہ علماء کے نزدیک اس کے یہ معنے ہیں کہ آپؐ کے بعد
کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آپؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

ان دونوں قولوں کی موجودگی میں کوئی عقلمند نہیں کہہ سکتا۔ کہ حضرت امام
ملا علی قاریؒ کے اس قول سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوّت کا دعویٰ
بالاجماع کفر ہے۔ مراد اس قسم کی نبوّت ہے جس کا ذکر موضوعاتِ کبیر میں
موجود ہے اور جو ہم نے ابھی اوپر نقل کیا ہے۔ مولانا مودودی صاحب کے
پیش کردہ اقوال میں سے قول ۳ میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہے۔ کہ محمد
صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد عیسٰے بن مریم کے سوا کوئی اور نبی ہے۔ تو وہ آدمی
بھی اس کی تکفیر میں اختلاف نہیں کرتے۔ حالانکہ امام ملا علی قاری نے
عیسٰیؑ کے ساتھ خضرؑ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور ابراہیمؑ اور عمرؓ کی امکانی
نبوّت کا ذکر کر کے ایسے نبی کا آنا جو امّتی ہو اور شریعت محمدیہ کو منسوخ نہ
کرے۔ جائز قرار دیا ہے۔

اور اسی طرح مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانئے دار العلوم دیوبند
فرماتے ہیں :" اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا
ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر
کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔"
(تحذیر الناس صفحہ ۲۸)

کیا یہ دونوں بزرگ کافر تھے۔ ان کے علاوہ شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ نے
بھی لا نبی بعدی کی یہی تشریح کی ہے۔ کہ اس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے بعد کسی تشریعی نبی کا نہ آنا مراد ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانئے
جماعت احمدیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ صرف اس نبوت کا دروازہ بند ہے۔ جو
احکام شریعت جدیدہ اپنے ساتھ رکھتی ہو۔ یا ایسا دعویٰ ہو جو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے الگ ہو کر کیا جائے۔ لیکن ایسا شخص
جو ایک طرف اس کو خدا تعالیٰ اس کی وحی میں امتی بھی قرار دیتا ہے پھر
دوسری طرف اس کا نام نبی بھی رکھتا ہے۔ ایسا دعویٰ قرآن شریف کے احکام
کے مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ نبوت بہ باعث امتی ہونے کے دراصل آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک ظل ہے۔ کوئی مستقل نبوت نہیں۔"
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۸۳ ۱۹۰۸ء) اور فرماتے ہیں:۔
"اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی
نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔"
(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵ سن ۱۹۰۶ء)

اور فرماتے ہیں:۔
"جاہل مخالف میری نسبت یہ الزام لگاتے ہیں کہ یہ شخص نبی یا

رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے مجھے ایسا کوئی دعویٰ نہیں اس طور سے جو وہ خیال کرتے ہیں نہ نبی ہوں نہ رسول ہوں۔ ہاں میں اس طور سے نبی اور رسول ہوں جس طور سے ابھی میں نے بیان کیا ہے پس جو شخص میرے پر شرارت سے یہ الزام لگاتا ہے جو دعویٰ نبوت اور رسالت کا کرتے ہیں وہ جھوٹا اور ناپاک خیال ہے مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ ۱۹۰۱ء)

اور فرماتے ہیں:-

"میری مراد نبوت سے یہ نہیں ہے کہ میں نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل پر کھڑا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں یا کوئی نئی شریعت لایا ہوں صرف مراد میری نبوت سے کثرت مکالمت ومخاطبت الٰہیہ ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے حاصل ہے سو مکالمہ ومخاطبہ کے آپ لوگ بھی قائل ہیں پس یہ صرف لفظی نزاع ہوئی۔ یعنی آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ ومخاطبہ رکھتے ہیں میں اس کی کثرت کا نام بموجب حکم الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔ ولکل ان یصطلح"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸ ۱۹۰۷ء)

پس حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے جس قسم کی نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس قسم کی نبوت کے متعلق کسی عالم نے یہ نہیں لکھا۔ کہ اس قسم کا نبی نہیں ہو سکتا بلکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں جن علماء کی توجہ ایسی نبوت کی طرف گئی ہے انہوں نے ایسی نبوت کو ممکن اور جائز قرار دیا ہے اور جس قسم کی نبوت کو انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع قرار دیا ہے اسے ہم بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد منقطع الوقوع مانتے ہیں چنانچہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ نے اپنی وفات سے تین روز پیشتر اخبار عام کو

کو ایک خط لکھا جو ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو شائع ہوا۔ اس میں آپ نے لکھا:-

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور جس کے یہ معنے ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں نبی سمجھتا ہوں نہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور اپنا علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ سے یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے، اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں اور وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا ہے اور آئندہ زمانوں کے راز میرے پر کھولتا ہے ... مگر ان معنوں سے میں نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔"

اور فرماتے ہیں:-

"غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیوض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی بننا چاہتا ہے تو وہ ملحد بے دین ہے

اور غالباً ایسا شخص کوئی اپنا نیا کلمہ بنائے گا۔ اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کریگا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدل پیدا کریگا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔"

(انجام آتھم۔ حاشیہ صفحہ ۲۸)

ضمیمہ ۵ پر تبصرہ

تحقیقاتی عدالت نے اصولی سوالات کئے تھے ان میں مسیح موعود و بانئ جماعت احمدیہ کے دعویٰ کو زیر بحث لانا یقیناً خلط مبحث ہے۔ لیکن مولانا مودودی صاحب بلاوجہ آپکے دعویٰ کو زیر بحث لائے ہیں ضمیمہ ۵ میں الیاس برنی کی کتاب "قادیانی مذہب" سے زیر عنوان "مرزا غلام احمد صاحب کی تحریک کے مختلف مراحل" بہت سے حوالجات نقل کر دئیے ہیں اور لکھا ہے کہ پہلے آپ مبلغ اور مناظر اسلام۔ پھر مجدد وقت کے طور پر ظاہر ہوئے اور پہلے حضرت عیسیٰ کی آمد کے قائل تھے پھر خود مسیح موعود اور مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اسی طرح پہلے محدثیت کا دعویٰ اور نبی ہونے کا انکار کیا لیکن ۱۹۰۱ء کے بعد اپنے آپ کو نبی قرار دیا وغیرہ گویا آپ کے دعویٰ میں تدریجی ترقی پائی جاتی ہے۔

اگرچہ اس بحث کا تحقیقاتی عدالت کے سوال سے تعلق نہیں ہے اور ہم اس کا تفصیلی جواب احرار کے تحریری بیان[1] کے جواب میں دے چکے ہیں تاہم اس جگہ مختصر طور پر جواب دینا ضروری ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت بانئ جماعت احمدیہ کو آپ کے دعویٰ اور الہامات کے متعلق جس قدر سمجھایا گیا آپ اسی قدر اس کا اظہار فرماتے رہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب ازالہ اوہام، کشتی نوح اور حقیقۃ الوحی وغیرہ میں بالتفصیل لکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی [illegible]

---

[1] [illegible] تحریری بیان [illegible] تفصیلی جواب [illegible]

مامورون کی نسبت یہی سنت ہے کہ انہیں ان کے مرتبہ اور مقام کے متعلق تدریجی علم دیا جاتا ہے حسن ظن رکھنے والے انکی باتوں کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں اور جن کے اندر بدظنی کا مادہ ہوتا ہے وہ اسے سوچی سمجھی ہوئی سکیم کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور مدعی کی بدنیتی پر محمول کرتے ہیں:

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ جب آپ کو پہلی بار الہام ہوا اور فرشتہ نظر آیا۔

"تو آپ اقتضائے بشریت سے خوفزدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی پھر جب ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہو گیا۔"

محدث ابن حجر عسقلانی کے الفاظ یہ ہیں:-

"فلما سمع کلامہ ایقن بالحق واعترف بہ۔"

یعنی جب آپ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپ کو حق کا یقین آگیا۔ اور آپ نے اس کا اعتراف کیا۔"

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ

"وحی بار بار اس لئے رک جاتی تھی کہ آپ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔"

(سیرۃ النبی جلد اول مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی مطبوعہ ذمی پریس کانپور صفحہ ۱۳۸)

"تسکین و ایقان کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ پیش کرنے میں یہ احتیاط برتی کہ اس کی تبلیغ صرف اپنے دوستوں تک محدود رکھی مگر کچھ مدت کے بعد اس سلسلہ کو جو محدود تھا وسیع کر دیا چنانچہ آپ کے اس طریقہ تبلیغ کے متعلق علامہ شبلی نعمانی مرحوم یوں رقمطراز ہیں:-

"تین برس تک نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا نمایاں ہونا تھا حکم آیا فاصدع بما تؤمر (ترجمہ) جو حکم دیا گیا ہے

اس کو واشگاف کہہ دے"۔ کیا بدظنی کرنے والے دشمنانِ اسلام اس آیت کریمہ سے
یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے؟ کہ جو حکم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا اسے آپ لوگوں پر
ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اسکے بعد حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین (شعراء) کہ
اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو ڈراؤ تو آپ نے اپنے خاندان و اقارب تک اپنی دعوت پہنچا
دی اسکے بعد جب آیت لتنذر ام القریٰ ومن حولہا نازل ہوئی تو آپ نے اپنے
دائرہ عمل کو وسیع کرتے ہوئے اہل مکہ اور اس کے اردگرد کے باشندوں تک اپنی دعوت
کو عام کر دیا۔ پھر جب آیت انا ارسلنٰک کافۃ للناس اور آیت یاایہا الناس
انی رسول اللہ الیکم جمیعاً نازل ہوئیں تو آپ نے اپنے مقام کو پہلے سے بلند ترین کرتے
ہوئے سمجھ لیا کہ آپ کو سارے جہان کے مالک کی طرف سے سارے جہان تک دعوتِ حق
پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے"۔[1]

اسی طرح آپ نے پہلے فرمایا۔ من قال انا خیر من یونس بن متی فقد
کذب۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء)

یعنی جو کہے میں یونس علیہ السلام سے بڑا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ نیز فرمایا۔ لا
تفضلونی علی موسیٰ (بخاری) کہ تم مجھے موسیٰ سے افضل نہ کہو مگر اکثر سال
گزرنے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا
اور آپ کو اپنے سابقہ مقام سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقام کا علم بخشا
گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔

انی فضلت علی الانبیاء بست الحدیث۔

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ صحیح مسلم مطبع مجتبائی پریس دہلی ص ۵۱۲)

یعنی مجھے چھ باتوں کی وجہ سے باقی تمام انبیاء پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں
سے ایک فضیلت کی وجہ یہ ہے تمام مخلوق کی طرف مبعوث کیا جانا اور دوسری

۱؎ سیرۃ النبی حصہ اول ص ۱۶۶

نے یہی چاہا کہ انہیں شراب پینے سے یک دفعہ نہ روکا جائے پہلی آیت جو شراب کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے :-

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ والمیسر قل فیہما اثم کبیر ومنافع للناس۔ (البقرہ ع۲۷)

یعنی لوگ تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں تو ان سے کہدے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے۔ یعنی ان کے نقصانات بڑے ہیں۔ گو لوگوں کے لئے ان میں بعض منافع بھی ہیں۔ باوجودیکہ اس آیت میں شراب اور جوئے کی تحریم کی طرف اشارہ موجود تھا۔ کیونکہ ان میں نقصانات کے زیادہ ہونے اور منافع کے کم ہونے میں درحقیقت ان کی تحریم کی وجہ بیان کی گئی تھی۔ لیکن پھر بھی شراب حرام نہ سمجھی گئی۔ پھر کچھ مدت بعد اس بارے میں دوسری آیت

لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ۔ (النساء ع۷) نازل ہوئی۔

یعنی جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس آیت کے نزول کے بعد بھی شراب حرام نہ سمجھی گئی اور لوگ شراب استعمال کرتے رہے لیکن ان آیات سے شراب کی تحریم کی قبولیت کے لئے نفوس میں ایک رجحان پیدا کر دیا گیا۔ تب کچھ مدت کے بعد اس بارہ میں تیسری آیت نازل ہوئی جو یہ ہے :-

انما یرید الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فہل انتم منتہون۔ (المائدہ رکوع۱۲)

یعنی شراب اور جوئے کے ذریعہ شیطان تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے۔ پس

کیا تم ان شیطانی کاموں سے باز نہیں رہو گے۔"

(ملاحظہ ہو ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ مصر)

اس آیت کے نزول کے بعد شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا۔ پس اگر خدا تعالیٰ کسی حکمت کی وجہ سے کوئی حکم تدریجی طور پر نازل کرے یا کسی مامور پر اس کا اصل مقام تدریجی طور پر ظاہر کرے تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔

حضرت بانئ جماعت احمدیہ اس اعتراض کا کہ آپ نے براہین احمدیہ میں تو لکھا ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اور اب کہتے ہیں کہ وہ وفات پا چکے اور واپس نہیں آئیں گے۔ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہ بیان جو براہین احمدیہ میں درج ہے صرف اس سرسری پیروی کی وجہ سے ہے جو ملہم کو قبل از انکشاف اصل حقیقت اپنے نبی کے آثار مرویہ کے لحاظ سے لازم ہے۔ کیونکہ جو لوگ خدا تعالیٰ سے الہام پاتے ہیں۔ وہ بغیر بلائے نہیں بولتے اور بغیر سمجھائے نہیں سمجھتے۔ اور بغیر فرمائے کوئی دعویٰ نہیں کرتے۔ اور اپنی طرف سے کوئی دلیری نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض عبادات کے ادا کرنے کے بارہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی تب تک اہل کتاب کی سنن دینیہ پر قدم مارنا بہتر جانتے تھے۔ اور پھر وقت نزول وحی اور دریافت اصل حقیقت کے اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ سو اس لحاظ سے حضرت مسیح بن مریمؑ کی نسبت اپنی طرف سے براہین میں کوئی بحث نہیں کی گئی۔ اب جو خدا تعالیٰ نے حقیقت امر کو اس عاجز پر ظاہر فرمایا تو وہ امر ظاہر ہو۔ پر اس کا اعلان ازبس ضروری تھا۔"

(ازالہ اوہام ایڈیشن اول صفحہ ۱۹۷)

اور اس سوال کا کہ جب براہین احمدیہ میں آپ کو نبی کے نام سے خطاب کیا گیا

تو آپ نے ان کے دوبارہ آنے کے متعلق کیوں لکھا۔ اور اپنے آپ کو مسیح موعود کیوں قرار نہ دیا۔ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"اگرچہ خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میرا نام عیسیٰ رکھا اور یہ بھی مجھے فرمایا۔ کہ تیرے آنے کی خبر خدا اور رسولؐ نے دی تھی۔ مگر چونکہ ایک گروہ مسلمانوں کا اس اعتقاد پر جما ہوا تھا۔ کہ حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہونگے اس لئے میں نے خدا کی وحی کو ظاہر پر حمل کرنا نہ چاہا۔ بلکہ اس وحی کی تاویل کی اور اپنا اعتقاد وہی رکھا جو عام مسلمانوں کا تھا اور اس کو براہین میں شائع کیا لیکن بعد اس کے اس بارہ میں بارش کی طرح وحی نازل ہوئی کہ وہ مسیح موعود جو آنیوالا تھا وہ تو ہی ہے اور ساتھ اس کے صدہا نشان ظہور میں آئے۔ اور زمین و آسمان دونوں میری تائید کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور خدا کے چمکتے ہوئے نشان میرے پر جبر کر کے مجھے اس طرف لے گئے کہ آخری زمانہ میں مسیح آنے والا میں ہی ہوں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو وہی تھا۔ جو میں نے براہین احمدیہ میں لکھ دیا تھا۔ اور پھر میں نے اس پر کفایت نہ کر کے اس وحی کو قرآن شریف پر عرض کیا تو آیات قطعیۃ الدلالت سے ثابت ہوا کہ درحقیقت مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے اور آخری خلیفہ مسیح موعود کے نام پر اسی امت میں سے آئے گا۔ اور جیسا کہ جب دن چڑھ جاتا ہے تو کوئی تاریکی باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح صدہا نشانوں اور آسمانی شہادتوں اور قرآن شریف کی قطعیۃ الدلالت آیات اور نصوص صریحہ حدیثیہ نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنے تئیں مسیح موعود مان لوں۔ میرے لئے یہ کافی تھا کہ وہ میرے پر خوش ہو مجھے اس بات کی ہرگز تمنا نہ تھی۔ میں پوشیدگی کے حجرہ میں تھا۔ اور کوئی مجھے نہیں جانتا تھا۔ اور نہ مجھے یہ خواہش تھی کہ کوئی مجھے شناخت کرے۔ اس نے گوشۂ تنہائی سے مجھے جبراً نکالا۔ میں نے

چاہا کہ میں پوشیدہ رہوں اور پوشیدہ مروں۔ مگر اس نے کہا کہ میں تجھے تمام دنیا میں عزت کے ساتھ شہرت دوں گا۔ پس یہ اس خدا سے پوچھو کہ ایسا تو نے کیوں کیا۔ میرا اس میں کیا قصور ہے؟"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹)

اور یہی صورت دعویٰ نبوت کے متعلق پیش آئی۔ پہلے آپ اس تعریف کے مطابق کہ نبی درحقیقت وہ کہلاتا ہے جو نئی شریعت لائے یا پہلی شریعت کے بعض احکام کو منسوخ کرے اور بلاواسطہ نبوت حاصل کرے۔ نبی اور رسول کے الفاظ کی جو آپ کے الہامات میں پائے جاتے تھے۔ تاویل کر کے محدثیت کے معنوں تک محدود رکھتے تھے لیکن جب آپ کو یہ علم دیا گیا کہ ایک امتی بھی نبی کا نام پا سکتا ہے اور آپ کو اس نام سے خطاب کیا گیا تو آپ نے اپنے امتی نبی ہونے کا اعلان کر دیا چنانچہ اس سلسلہ میں آپ فرماتے ہیں:۔

"میں کیا کروں کس طرح خدا تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ سکتا ہوں۔ اور کس طرح اس روشنی سے جو مجھے دی گئی ہے تاریکی میں آ سکتا ہوں خلاصہ یہ کہ میرے کلام میں کچھ تناقض نہیں۔ میں تو خدا کی وحی کی پیروی کرنے والا ہوں۔ جب تک مجھے اس سے علم نہ ہوا میں وہی کہتا رہا جو اوائل میں میں نے کہا۔ اور جب مجھ کو اس کی طرف سے علم ہوا تو میں نے اس کے مخالف کہا۔ میں انسان ہوں مجھے عالم الغیب ہونے کا دعویٰ نہیں۔ بات یہی ہے جو شخص چاہے قبول کرے یا نہ کرے۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۰)

اور آپ نے جس قسم کی نبوت کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور لکھا کہ خاتم النبیین کے بعد نہ کوئی نیا نبی آسکتا ہے نہ پرانا تو اس سے مراد حقیقی نبوت اور مستقل نبوت ہی تھی اور جس قسم کی نبوت کے لئے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ نے جائز قرار دیا اس کا آپ نے ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی کبھی انکار نہیں کیا۔ اور نہ اسے ختم نبوت کے منافی سمجھا چنانچہ آپ ایک غلطی کے ازالہ میں فرماتے ہیں :۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے۔ صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں رسول اور نہ ہی میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کرکے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطہ سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے۔ رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا تعالیٰ نے مجھے نبی اور رسول کرکے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔ اور میرا یہ قول :۔

"من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب"

اس کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ میں صاحب شریعت نہیں ہوں"

(ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۴)

الغرض جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر پورا پورا انکشاف نہ ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور پیروی کی برکت سے باوجود امتی ہونے کے آپ نبی کا نام پا سکتے ہیں اس وقت تک آپ اپنے آپ کو محدث کہتے رہے۔ اور انکشاف تام کے بعد اپنے لئے نبی کا لفظ استعمال کیا۔

ساتواں سوال

قرآن اور سنّت کے وہ حوالے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی سیاسی اور مذہبی نظام میں غیر مسلموں کو ایک غیر ملکی عنصر کے طور پر قرار دیا گیا ہے اور اگر ایسا ہے تو جس حد تک ان کو الگ رکھا گیا ہے اس کی تائید میں تاریخی حوالے پیش کئے جائیں۔ اسی طرح اس پر روشنی ڈالی جائے کہ کیا غیر مسلموں کو پبلک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے کی اجازت تھی یا نہیں اور کس حد تک ایک قوم یا فرد کے گناہ دوسری قوم یا فرد پر ڈالے جا سکتے ہیں؟

جواب[1]

جہاں تک ہم قرآن شریف اور احادیث کو دیکھتے ہیں ہمیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک مذہب ہے اور اسی حد تک وہ مذہب کے علاوہ دوسری باتوں میں دخل دیتا ہے جس حد تک کہ اسلام کا خالص تعلق اس سے ہوتا ہے یعنی وہ اس بات کی نگرانی کرتا ہے کہ اخلاقی اور روحانی طور پر مسلمان کسی ایسے امر کے مرتکب نہ ہوں جو ان کو خدا سے اور اخلاق سے دور کر دے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں سے بادشاہتوں کے وعدے کئے ہیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم نے مسلمانوں کے سیاسی اور تمدنی حقوق پر بحث کی ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس نے

[1] اس سوال کا جواب بھی افادات حضرت امام جماعت احمدیہ کا نتیجہ ہے بقیہ سوالات کے جوابات خاکسار نے دیئے ہیں۔ مصنف

اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ غیر مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے اصول اور قوانین پر چلنا چاہیئے۔ نہ مسلمان ان کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ان کے طریق پہ چلیں اور نہ غیر مسلموں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے مذہب یا سیاست کے طریق پر چلیں۔ اگر ہم مذہب کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ کسی قوم کی مذہبی کتابوں میں جو باتیں ہیں وہ مذہب کا حصہ ہیں تو اس کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم کی ان آیات سے جن میں یہودیوں کو تورات کے متعلق کہا گیا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ (مائدہ ع) اور عیسائیوں کو انجیل کے متعلق کہا گیا ہے۔ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيْلِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ (مائدہ ع) اور مسلمانوں کو قرآن کے متعلق کہا گیا ہے کہ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ (مائدہ ع) یہ بات ثابت ہے کہ قرآن کریم کے نزدیک یہودیوں اور عیسائیوں کا اپنی اپنی شریعت پر چلنا ضروری ہے اگر اس کے یہ معنے لئے جائیں کہ صرف نماز روزہ کے متعلق یہ احکام ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان یہودی اور عیسائی اکٹھے ہوں مسلمانوں کو بھی صرف اپنی نماز روزہ میں آزادی حاصل ہوگی سیاسی معاملات میں آزادی حاصل نہیں ہوگی۔ بلکہ مل کر کام کرنا پڑے گا۔ اور اگر اس کے یہ معنے لئے جائیں کہ جہاں کہیں بھی یہودی اور مسلمان اکٹھے ہوں ان کو اپنے اپنے مذہب پر عمل کرنا ہوگا جس میں سیاست بھی شامل ہے اور غیر قوم کے تعلقات بھی شامل ہیں تو اس صورت میں ان آیتوں کا مفہوم ایسا نکلے گا۔ جو ایک منظم حکومت کے قیام کو ناممکن بنا دے گا۔ اور یہ مذہب بھی باطل ہو جائیگا۔ کہ یہود و نصاریٰ کو ذمیوں والے حقوق حاصل ہونگے۔ چونکہ تورات و انجیل میں تو ایسے قانون درج نہیں ملکیوں کی سیاست میں تو غیر قوموں کو

حقوق سے محروم کیا گیا ہے۔ پس اگر ہم نے ان آیات کے مطابق سیاسی معاملات کو بھی اور تمدنی معاملات کو بھی مذہب قرار دے کر اور مذہب کا جزو قرار دے کر اس میں ہر ایک کو حریت دینی ہے۔ تو پھر نظامِ مملکت کوئی علیحدہ چیز باقی ہی نہیں رہتا اور ملک میں نظم کی بجائے انارکی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر ہم نے ان آیات سے مراد یہ لینی ہے کہ مذہب سے مراد خالص مذہب ہے تو پھر ہمیں بھی اپنی سیاست کو خالص مذہب سے الگ رکھنا ہوگا۔

یاد رہے کہ یہ حقوق قرآن نے دیئے ہیں عیسائیوں اور یہودیوں نے اس کا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ تو اپنی تعلیم کے خلاف عمل کرتے تھے۔ اور قرآن نے اس بارہ میں ان پر زجر کیا ہے اور تاکید کی ہے کہ تورات اور انجیل کے مطابق عمل کرو۔ ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ گو مذہب سیاست اور اقتصاد اور ساری ہی چیزوں پر حاوی ہوتا ہے لیکن اس کے دو حصے تسلیم کئے گئے ہیں ایک خالص مذہب اور ایک ایسے امور جو براہِ راست مذہب میں تو نہیں آتے لیکن مذہبی بنیادی تعلیم کی روشنی میں ان کو حل کیا گیا ہے جو خالص مذہبی امور ہیں ان کے متعلق تو یہی حکم ہے کہ ہر قوم اپنی کتاب کے مطابق عمل کرے اور جو امور خالص مذہبی نہیں ان کے متعلق باہمی تعاون سے کوئی راستہ نکالا جائے گا۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو آپ نے مشرکوں اور یہودیوں سے معاہدہ کیا اور ان سے معاہدہ کر کے مدینہ کی حکومت قائم کی۔ اور اس میں یہ تسلیم کیا۔ کہ ضرورت کے وقت یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک امت سمجھے جائیں گے۔

(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ آرٹیکل ۲۔ آرٹیکل ۲۴ و آرٹیکل ۳۵)

(۲) اسلامی حکومت میں غیر قوموں کے حقوق ذاتی طور پر مسلم نہیں ہیں

بلکہ وہ ایک تابع کی حیثیت میں رہنے پر مجبور رہیں تو پھر یہودیوں اور مشرکوں سے معاہدہ کے معنے ہی کیا ہوئے۔ اور پھر سب کو ایک امت قرار دینے کے کیا معنے ہوئے؟ اگر یہ کہو کہ جو شخص مفتوح ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے ملک میں داخل ہوتا ہے اس کو تو کوئی حق حاصل نہیں لیکن جس سے معاہدہ کیا جاتا ہے اس کو حقوق حاصل ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اصل چیز تو یہ ہے کہ اسلام میں غیروں کے حقوق تسلیم کیے گئے ہیں۔ اگر غیروں کے حقوق تسلیم کرنا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے تو پھر معاہدہ کس طرح جائز ہو گیا؟ کیا کوئی معاہدہ اس چیز کو جائز کر سکتا ہے جس کو اسلام نے جائز نہیں کیا؟ معاہدہ کرنا ہی بتاتا ہے کہ یہ امر خالص مذہب کا حصہ نہیں۔ اگر خالص مذہب کا حصہ ہوتا تو اسلام صرف یہ اعلان کرتا کہ ہم یہ حقوق تم کو ہماری حکومت میں حاصل ہوں گے اس کے علاوہ تم کو کچھ نہیں دیا جائیگا اور جو قومیں معاہدہ کے ذریعہ سے اور مسلمانوں کے ملک میں رہ کر وہ حقوق حاصل کرنا چاہیں ان کے مطالبہ کو رد کیا جاتا۔ پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں معاہدات کا ہونا اور ان میں غیر قوموں کے برابر حقوق تسلیم کرنا اور ان کو اسلامی حکومت کا برابر کا شریک مقرر کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام نے غیر مذاہب کے لوگوں کے حقوق کو مذہب کا حصہ قرار نہیں دیا بلکہ سیاست کا حصہ قرار دیا ہے اور ان کے کم و بیش کرنے میں مسلمانوں کو آزادی ہے۔ چنانچہ جب ہم اسلامی معاہدات کو دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں نظر آتا ہے کہ مختلف حقوق مختلف اقوام کو دیئے گئے چنانچہ جس وقت اسلام کو طاقت ملی ہے اس وقت عام طور پر حکومتیں مذہبی بنیاد پر ہوتی تھیں اور غیر مذاہب کے لوگوں کو یا مفتوحہ علاقہ کے لوگوں کو وہ حقوق نہیں دیئے جاتے تھے جو کہ فاتح ملکوں کے باشندوں کو

حاصل ہوتے ہیں یا فاتحین کے تحت ذمیوں کو حاصل ہوتے ہیں اس لئے اسلام کی جنگوں میں جو قومیں مغلوب ہوئیں بعض دفعہ وہ رائج الوقت قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے لئے زائد حقوق لینے کے لئے خود ایسی شرطیں پیش کرتی تھیں کہ ہمیں ان شرائط پر اسلامی ممالک کا حصہ بنا دیا جائے۔ ان شرائط میں بعض دفعہ سختی بھی ہوتی تھی۔ وہ لوگ اسلامی روح کو نہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے خود شرطیں پیش کیں تو شاید وہ زیادہ سخت ہوں اور اگر ہم نے شرطیں پیش کیں تو شاید اس میں ہم کچھ اپنے حقوق محفوظ کر لیں حالانکہ اگر وہ مسلمانوں پر چھوڑ دیتے تو ان کو نرم شرطیں مل جاتیں چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کے جو علاقے فتح ہوئے وہاں کے لوگوں کو جو حقوق دیئے گئے وہ خود ان لوگوں کے مطالبات پر تھے۔ یروشلم اور دمشق کے لوگوں نے خود شرطیں لکھ کر اسلامی کمانڈر کو دی تھیں کہ ان شرائط پر ہم ہتھیار رکھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور حضرت عمرؓ نے ان کو منظور کر لیا تھا۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ کتاب الجہاد)

احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ جب بنو قریظہ نے غداری کر کے جنگ احزاب پر کفار کے ساتھ معاہدہ کر لیا اور ان کا محاصرہ کیا گیا تو انہوں نے تنگ آ کر آخر صلح کی تجویز پیش کی۔ اور ان کے سامنے یہ شرط پیش کی گئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ کریں اس کو وہ منظور کر لیں۔ لیکن انہوں نے اس کو منظور نہ کیا۔ بلکہ اوس قبیلہ کے رئیس سعد بن معاذ کو فیصلہ کرنے کے اختیارات دیئے جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ یہودی کتابوں کی رُو سے تمام مفتوحہ جنگی سپاہی قتل کئے جاتے ہیں اس لئے ان کو بھی یہودی قانون کے مطابق قتل کیا جائے۔ چونکہ یہ فیصلہ ان کے بنائے ہوئے ثالث نے کیا تھا۔ اس لئے اس فیصلہ کا اعتراض اسلام پر کوئی نہیں آتا۔ لیکن اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرماتے تو آپ یہ فیصلہ نہ فرماتے چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرو بن سعدی یہودیوں کا رئیس رات کے وقت قلعہ چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ پہرہ داروں نے اس کو دیکھ لیا لیکن اس کو پکڑا نہیں بلکہ پہرہ داروں کے سردار محمد بن مسلمہ رضی نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے خدا! مجھے شرفاء کی غلطیوں سے چشم پوشی کے خلق سے محروم نہ کر۔ حالانکہ ثالث کے فیصلہ کے رو سے اس کا قتل کیا جانا ضروری تھا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے ان کے اس فعل کو پسند کیا۔ بلکہ جب اس کی موت کی خبر ملی تو فرمایا کہ اللہ تعالے نے اس کی موت دکھوں سے نجات کا موجب بنا دیا۔ (سیرت ابن ہشام ؔ وسیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۵۸)

اس واقعہ سے یہ ثابت ہے کہ اگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے تو یہ نہ کرتے۔ پس کسی تودم کا آپ پیش کرنا کہ ہم یہ باتیں ماننے کیلئے تیار ہیں اس میں ان کا قصور ہے اس کے یہ معنے نہیں کہ اسلام نے ان کی بنیاد رکھی ہے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدات کئے ہیں ان میں ایسی کوئی بات ہرگز نہیں جو کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے لئے فقہاء نے ضروری قرار دی ہو۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم نے غیر مسلموں کے ساتھ سلوک کا اصل حکم لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (سورۃ کافرون ع۱) میں بیان فرمایا ہے دین کے معنے عربی زبان میں صرف مذہب کے نہیں ہوتے بلکہ دین کے معنے مذہب کے علاوہ بدلہ کے بھی ہوتے ہیں۔ اطاعت کے بھی ہوتے ہیں۔ اور نظم ونسق حکومت کے بھی ہوتے ہیں۔ پس لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ کے یہی معنے نہیں ہیں کہ تمہارا مذہب تمہارے ساتھ اور میرا مذہب میرے ساتھ،

بلکہ یہ معنے بھی ہیں کہ تمہاری سیاست اور میری سیاست، تمہارا نظامِ حکومت اور میرا نظامِ حکومت مختلف ہے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قرآن کریم کی کسی اور آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت اور غیر اسلامی نظامِ حکومت میں کیا فرق ہے؟ اس نقطۂ نگاہ کے ماتحت جب ہم غور کرتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کی ایک واضح آیت اس بات کے متعلق ملتی ہے کہ قرآنی نظامِ حکومت یہ ہے کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ (سورۃ بقرہ ع ۳۴)

مذہب اور نظامِ حکومت اور سیاست میں کسی قسم کے جبر اور اکراہ سے کام نہیں لینا چاہئیے۔

اس کے مقابلہ میں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ غیر قوموں میں جبر ہوتا تھا چنانچہ فرماتا ہے:۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۔ (اعراف ۱۱/۱)

یعنی شعیبؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جو بہت متکبر اور خود سر تھے شعیبؑ سے کہا کہ ہم تجھے بھی اور ان سب لوگوں کو بھی جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے اور یا پھر تمہیں ہمارے مذہب میں واپس لوٹنا ہوگا۔ حضرت شعیبؑ نے ان کے اس دعویٰ کو حیرت سے سنا اور فرمایا۔ اگر ہم تمہارے دین کو ناپسند کرتے ہوں۔ تو کیا پھر بھی تم ہمیں جبراً اس میں شامل کر لو گے۔

یہ آیت مشرکین وغیرہ کے متعلق ہے یہود کے متعلق تورات اس بات پر شاہد ہے کہ غیر قوموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت ہی ناواجب اور ظالمانہ ہوتا تھا چنانچہ تورات میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ:۔

جب تو کسی شہر کے پاس اس سے لڑنے کے لئے آپہنچے تو پہلے اس سے صلح کا پیغام کر۔ تب یوں ہوگا۔ کہ اگر وہ تجھے جواب دے کہ صلح منظور اور دروازہ تیرے لئے کھول دے تو ساری خلق جو اس شہر میں پائی جائے تیری خراج گذار ہو گی اور تیری خدمت کرے گی۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے جنگ کرے تو تو اس کا محاصرہ کر اور جب خداوند تیرا اسے تیرے قبضہ میں کر دیوے۔ تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا سارا لوٹ اپنے لئے لے اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھے دی ہیں کھائیو۔ اسی طرح سے تو اُن سب شہروں سے جو تجھ سے بہت دُور ہیں اور ان قوموں کے شہروں میں سے نہیں ہیں حرم کیجیو۔"

(استثنا باب ۲۰ آیت ۱۰ تا ۱۵)

اسی طرح لکھا ہے:۔

"جب خداوند تیرا خدا ان کو تیرے آگے شکست دلاوے اور تو ان کو مارلے تو تو ان کو بالکل نابود کر ڈالنا۔ تو ان سے کوئی عہد نہ باندھنا اور نہ ان پر رحم کرنا۔" (استثنا باب آیت ۲)

یہ تو غیر ملکوں کے متعلق تورات کا حکم ہے۔ کنعان کی سرزمین جو موعود
سرزمین تھی وہاں کے رہنے والوں کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ:۔

"ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث
کر دیتا ہے کسی چیز کو جو سانس لیتی ہے جیتا نہ چھوڑیو۔ بلکہ تو
ان کو حرم کیجیو" (استثناء باب ۲۰، آیت ۱۶، ۱۷)

گویا اگر یہودیت برسراقتدار آجائے تو اس کی تعلیم کے مطابق ہر مرد
مارا جائے گا۔ اور ہر عورت اور بچہ غلام بنایا جائے گا۔ اور یہی نہیں بلکہ
کنعان میں بسنے والی ہر چیز جو سانس لیتی ہو جان سے ماری جائے گی۔

ان حوالوں سے ثابت ہے کہ اسلامی شریعت اور غیر اسلامی شریعت
میں مذہب اور سیاست کے بارہ میں یہی امتیاز تھا کہ اسلام مذہب اور سیاست
میں کسی قسم کا جبر تسلیم نہیں کرتا۔ اور غیر مذاہب جبر کو تسلیم کرتے تھے۔
اس کی تائید میں قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

لا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ ألا تعدلوا اعدلوا ھو
اقرب للتقویٰ۔ (مائدہ ۲/۱)

یعنی کسی قوم کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے
ساتھ انصاف کا سلوک نہ کرو۔ تم انصاف کا سلوک کرو۔ کیونکہ دل
کی نیکی کے مطابق یہی امر ہے۔

اس آیت سے پتہ لگتا ہے کہ جو سلوک تم اپنے لئے جائز سمجھتے ہیں۔
وہی سلوک تم کو غیر قوموں سے بھی کرنا چاہئے۔ صرف ایک فرق کی اسلام
نے اجازت دی ہے اور وہ یہ کہ بعض امور میں اپنے مارے ہوئے
مقتول دشمن کے اموال میں سے وصول کر لینے جائز ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم

یں آتا ہے :-

"وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ" (ممتحنہ ۲/۴)

یعنی اگر تمہاری بیویوں سے مہر کا کچھ حصہ کفار کی طرف چلا جائے اور پھر تمہیں موقع میسر آ جائے تو جن کی بیویاں چلی گئی ہیں ان کو اتنا روپیہ دے دو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور اس خدا سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ :-

اول :- ایک کافر محارب کے حقوق بھی مارنا جائز نہیں۔

دوئم :- جو حقوق ہمیں اس کافر کے مقابلہ میں حاصل ہیں۔ وہی اس کافر کو ہمارے مقابلہ میں حاصل ہیں۔

سوئم :- لیکن اگر وہ ہمارے حقوق کو مار لے تو ہمیں یہ حق حاصل ہے کہ اس کی قوم کے جو حقوق ہیں ادا کرنے ہیں ہم ان میں سے مسلمانوں کے تلف شدہ حقوق کی رقم ان کو دلوا دیں۔ لیکن یہ صرف مالی معاملات کے متعلق ہے عزت اور ضمیر کے متعلق یہ احکام نہیں ہیں۔

چنانچہ۔ احادیث میں صاف آتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہؓ کا کفار نے مثلہ کیا یعنی ان کی شہادت کے بعد ان کے ناک، کان کاٹ دیئے۔ اور صحابہؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ ہم بھی اس کے بدلہ میں بعض مشرکین جنگ کے مقتولین کے ناک کان کاٹ دیں۔ تو اس پر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو

ایسا کرنا جائز نہیں۔ (السیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۶)

مگر تعجب ہے کہ مسلمانوں نے اس اصولی تعلیم کو بھلا دیا اور مسلم اور ذمی کی اصطلاحات تجویز کر کے یہ بتانا چاہا کہ گویا ذمیوں کے لئے اور احکام ہیں اور مسلمانوں کے لئے اور۔ مسلمانوں کے اور حقوق ہیں اور ذمیوں کے اور۔ حالانکہ ذمی کا لفظ جس طرح غیر مسلم کے لئے استعمال کیا گیا ہے اسی طرح مسلم کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے اور انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

"مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ"

(بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلۃ)

یعنی جو شخص ہماری طرح نماز پڑھتا ہے، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت اس کو حاصل ہے پس اے مسلمانو! تم اس کو کسی قسم کی تکلیف دے کر خدا تعالیٰ کو اس کے عہد میں جھوٹا نہ بناؤ۔

اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو بھی ذمی قرار دیتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کے حقوق کے اللہ اور اس کے رسول ذمہ دار ہیں۔ گویا یہاں بھی یہی معنے لئے جائیں گے کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی حفاظت کی جائیگی۔ ذمی کے معنے غیر [illegible]

گے ہیں۔ یعنی جس کے حق میں ضمانت دی گئی ہے اور خدا کی ضمانت اور ...
ہے یعنی ذمہ داری اٹھا نیوالا۔ انہی معنوں میں غیر مسلموں کے متعلق بھی (ذمہ) یہ
لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ غیر مسلموں کے متعلق یہ لفظ اسی معاہدہ میں
استعمال ہوا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا سے کیا
تھا اس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

"اذا جاءکم کتابی ھذا فانکم اٰمنون۔ لکم ذمّۃ
اللہ وذمّۃ رسولہٖ"

یعنی جب تمہارے پاس یہ کتاب پہنچے تو تم اس دن سے سمجھ لو
کہ تم بالکل امن میں ہو اور خدا اور رسول کی گارنٹیاں تمہیں حاصل ہے
پھر آگے فرماتے ہیں :-

"وانّ رسولہ غافر لکم سیّاٰتکم وکلّ ذنوبکم۔
وانّ لکم ذمّۃ اللہ وذمّۃ رسولہ لا ظلم ولا عدیٰ
وانّ رسول اللہ جارکم مما منع منہ نفسہٗ"

یعنی اللہ کا رسول تمہاری تمام غلطیوں اور خطاؤں کو معاف
کریگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہارے حقوق کی حفاظت
کے ذمہ دار ہیں۔ تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا اور کوئی سختی نہیں
کی جائیگی اور جن باتوں کو خدا کا رسول اپنے لئے جائز نہیں سمجھتا
تمہارے لئے بھی جائز نہیں سمجھیگا اور تمہارے لیے ان حقوق
کو حاصل کرے گا۔

(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ۱۲۲ معاہدہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم مع اہل مقنا)

اس معاہدہ سے صاف ثابت ہے کہ ذمی کا لفظ غیر مسلموں کے لئے بھی

اسی طرح استعمال کیا گیا ہے اور انہی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس طرح اور جن معنوں میں مسلمانوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔
باقی رہا یہ کہ ذمیوں پر جزیہ رکھا گیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ غیر قوموں کی اطاعت قبول نہ کرو۔ جب تک کہ وہ جزیہ نہ دیں۔ سو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم نے اس بارے میں نہایت محتاط الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ؕ

(توبہ ۵/۱۱)

کسی قوم سے زبردستی ٹیکس وصول نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اپنی مرضی اور مقدرت کے ساتھ وہ جزیہ دیں تو انہیں وصول کرنا چاہیئے۔
ید کے معنے عربی زبان میں طاقت کے ہوتے ہیں یعنی طاقت ہوتے ہوئے مطلب یہ کہ مرضی بھی ہو اور مالی طاقت بھی ہو۔ اور وھم صاغرون میں بتایا کہ جب وہ تمہارے آگے ہتھیار پھینک دیں۔ یعنی کسی قوم پر چڑھائی کر کے اس سے جبراً ٹیکس وصول کرنا جائز نہیں جب وہ ہتھیار پھینک دیں اور مرضی اور مقدرت سے جزیہ دیں تو اس صورت میں تم ان سے جزیہ لے سکتے ہو۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مرضی اور مقدرت کے کیا معنے ہیں؟ اگر کوئی قوم ہتھیار پھینک دے اور کسی قسم کا ٹیکس نہ دینا چاہے تو کیا ہم اس سے ٹیکس نہیں لیں گے؟ اس کے متعلق رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ :-

علی ان یوضع الجزاء عمن اجاب الی ذالک الخ

العشير والعشر عوض من جزاءهم"

(مجموعة الوثائق السياسيه ص۲۶۳)

یعنی جزیہ ان لوگوں پر نہیں لگایا جائیگا جو کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر فوجی خدمت کرنے پر تیار ہوں گے اور فوجی خدمت کرنا جزیہ کا قائم مقام ہوا۔

پس معلوم ہوا کہ جزیہ دینا یا نہ دینا غیر مسلموں کی طاقت اور اختیار میں تھا یعنی اگر وہ جنگی خدمت کو مسلمانوں کی طرح اختیار کر لیتے تو ان پر کوئی جزیہ نہیں تھا۔ پس اس کا فیصلہ ان کے اختیار میں تھا۔ ان پر جبر کوئی نہ تھا۔

اسی طرح مالی طاقت کا ذکر بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے معاہدات میں شامل ہے حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ والوں سے جو معاہدہ کیا۔ اس میں یہ واضح الفاظ موجود ہیں:۔

"ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابه آفة من الآفات او كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزيته وعيل من بيت مال المسلمين وعياله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام" (كتاب الخراج ص۸۵ بحوالہ الفاروق ص۲۴۴)

یعنی وہ شخص جو غریب ہو جائے۔ اور قوم کی امداد پر آ جائے نہ صرف یہ کہ اس کا جزیہ معاف ہوگا بلکہ جب تک وہ اسلامی ملک میں رہے گا اسلامی خزانہ سے اس کی مدد کی جائے گی۔

ان حوالوں سے واضح ہے کہ جہاں تک خالص مذہبی امور کا سوال ہے اسلام یہ اجازت دیتا ہے۔ کہ ہر قوم اپنے مذہب کے مطابق عمل کرے۔

اور جہاں تک سیاسی حقوق کا سوال ہے اسلام ان کو برابر کا حق دیتا ہے اور ذمی کے لفظ کے جو خراب معنے کئے گئے ہیں وہ بعد کے فقہاء کی غلطی سے ہیں۔ ورنہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے متعلق ایک ہی معنے میں اور ایک ہی طریق پر استعمال کئے ہیں۔

اب رہا عمل کا سوال۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں اسلام ایک جنگی انتشار کی حالت میں سے گذر رہا تھا۔ اور ابھی ایسی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی جس میں تمام اقوام مل کر بس جانے کا فیصلہ کرتیں۔ اس لئے بعض سیاسی حقوق کامل طور پر غیر مسلموں کو نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ مگر باوجود اس کے جہاں جہاں ممکن تھا ان کو سرداری کے حقوق دیئے گئے ہیں چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مقنا کو جو خط لکھا اس میں صاف طور پر یہ الفاظ پائے جاتے ہیں کہ

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ أَمِيْرٌ إِلَّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ مِنْ أَهْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ" (مجموعۃ الوثائق السیاسیہ صلہ ۳۲)

یعنی تمہاری قوم میں گورنر یا تم میں سے ہوگا یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں سے ہوگا۔

اس میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تسلیم فرماتے ہیں کہ کسی علاقہ کا گورنر غیر مسلم بھی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے زمانہ میں بھی حالانکہ ابھی ملک میں پورا امن [illegible] نہیں ہوا تھا پھر بھی ان حقوق کو تسلیم کیا جاتا تھا چنانچہ علامہ شبلی اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے [illegible] جنگ کی جو [illegible] دی تھی۔

اس کے لئے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی۔ یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی۔ والنٹیر فوج میں تو ہزاروں مجوسی شامل تھے جن کو مسلمانوں کے برابر مشاہرے ملتے تھے فوجی نظام میں بھی مجوسیوں کا پتہ ملتا ہے۔"

(الفاروق حصہ دوم زیر عنوان صیغۂ فوج صفحہ ۱۰۱)

اسی طرح لکھتے ہیں:۔

"یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچسو آدمی شریک جنگ تھے اور جب عمرو بن العاص نے فسطاط آباد کیا تو یہ جداگانہ محلے میں آباد کئے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا۔ چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک ہزار آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۲)

اسی طرح تاریخ سے ثابت ہے کہ غیر اقوام کے افراد کو جنگی افسر بھی مقرر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایرانیوں کو بھی فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ ان میں سے بعض کے نام بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ علامہ شبلی نے چھ فوجی افسروں کے نام یہ لکھے ہیں۔

سیاہ۔ خسرو۔ شہر یار۔ شیرویہ۔ شہرویہ۔ افرودین۔

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۱۰۶)

ان افسروں کو تنخواہیں بھی سرکاری خزانہ سے ملتی تھیں۔ اور رجسٹر میں ان کا نام تھا۔ چاروں خلفاء کے بعد حضرت معاویہؓ کے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ ان کے زمانہ میں ایک عیسائی

ابن اثال خاص وزیر خزانہ تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم ص ۲۳۱)

عباسی خلافت کے زمانہ میں باقاعدہ منظم حکومت قائم کی گئی اور مختلف قوموں اور طاقتوں کے نمائندوں کی ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کی گئی۔ اس کونسل آف سٹیٹ میں عیسائی یہودی صابی اور زرتشتی بھی شامل تھے۔

("A Short History of The Saracens"
By Amir Ali P.P. 274, 275)

اس زمانہ میں ایک عیسائی وزیر جنگ بھی مقرر کیا گیا چنانچہ عباسی خلیفہ معتضد کا وزیر جنگ ایک عیسائی تھا جس کا نام صابی تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم ص ۳۵۵)

عباسی خلیفہ المتقی کا بھی ایک عیسائی وزیر تنوخی نام کا تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم ص ۵۵)

بویہ خاندان کے ایک بادشاہ عضد الدولہ کا بھی ایک عیسائی وزیر نصر بن ہارون تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ص ۳۵۵)

سپینش حکومت کے متعلق بھی تاریخ سے ثابت ہے کہ اس میں قاضی القضاۃ تک کا عہدہ بھی غیر مذاہب والوں کو دیا جاتا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کے بیٹے الحکم ثانی کے زمانہ میں ایک عیسائی ولید بن خیزران کو قرطبہ میں حکومت کا جج مقرر کیا گیا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم ص ۵۳۰)

اسی طرح عبدالرحمٰن ثالث بادشاہ سپین کا ایک یہودی وزیر تھا۔

جس کا نام ربّی حسدی شپردت تھا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ص۵۶۶)

اسی طرح تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سپین میں بھی ایک کونسل آف سٹیٹ مقرر کی گئی تھی جس کے ممبر غیر مسلم بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک عیسائی گومز بن انطونی (Gomez son of Antony) بھی اس کونسل آف سٹیٹ کا ممبر تھا۔ اور بادشاہ عبدالرحمٰن ثالث نے ایک بڑی سیاسی میٹنگ میں جس کے لئے تمام سپینش بشپ بلائے گئے تھے اپنی بیماری کی وجہ سے اس کو اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا اور اسے پریذیڈنٹ مقرر کیا۔

("A short history of the Saracens"
by Amir Ali P. 468)

اسی طرح سموئیل بن عارف ایک عیسائی اسلامی حکومت غرناطہ میں وزیر مقرر کیا گیا۔

(اخبار اندلس جلد سوم ص۱۴۶)

سکاٹس کی تاریخ اندلس میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب بادشاہوں کو اہم سفارت بھیجنی ہوتی تھی تو وہ مقتدر یہودیوں کو بھیجا کرتے تھے۔

(اخبار اندلس جلد سوم ترجمہ از خلیل الرحمٰن صاحب ص۱۹۱)

مصر کی فاطمی حکومت میں بھی غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے جاتے تھے چنانچہ فاطمی بادشاہ العزیز کے زمانے میں ایک عیسائی عیسیٰ بن نسطورس کو وزیر بنایا گیا۔

(تاریخ عرب مصنفہ پروفیسر ہٹی ایڈیشن پنجم ص۶۲۰)

اسی طرح تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض فاطمی بادشاہوں کے

وزراء عیسائی اور یہودی ہوا کرتے تھے۔

("A short History of the Saracens"
By Amir Ali P. 413)

ہندوستان میں سب سے زیادہ بدنام اورنگ زیب ہے۔ لیکن اورنگ زیب سے متعلق تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ سیاسی معاملات میں کسی قسم کا امتیاز اور فرق کرنا جائز نہیں سمجھتا تھا۔ اور دلیل یہی دیا کرتا تھا۔ کہ قرآن کریم میں صاف حکم ہے کہ "لکم دینکم ولی دین"۔ چنانچہ ایک دفعہ اس کے پاس درخواست کی گئی کہ ذمیوں کو کلیدی عہدوں سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے کہا اس قسم کے معاملات میں تعصب کو کوئی دخل نہیں ہونا چاہئیے پھر اس نے یہ آیت پڑھی کہ "لکم دینکم ولی دین"۔ پھر اس نے کہا۔ اگر ہم اس درخواست کو تسلیم کریں تو پھر ہمیں تمام راجوں اور ان کی رعایا کو قتل کر دینا چاہئیے۔

"Preaching of Islam"
By Sir Thomas Arnold Page 214.

"Anecdotes of Aurang Zeb."
By Sir Jadhas Lal Orcan
P.P. 97-100.

اسی طرح عالمگیر کے ایک فرمان کا یہ فقرہ ہے کہ:-
"حکومت کے عہدے قابلیت کے اصول پہ دیئے جائیں۔ کسی اور خیال سے ہرگز نہ دیئے جائیں۔"

"Preaching of Islam."
By Sir Thomas Arnold P. 214.

پھر مغلیہ حکومت کے متعلق ایک اور مصنف لکھتا ہے کہ:۔
"بنگال کا حکومتی مذہب اسلام ہے۔ لیکن ملازمتوں کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں سو ہندو ہے اور تمام سرکاری عہدے اور اعتبار کی جگہیں دونوں قوموں سے چھنی جاتی ہیں"

(A New Account of East Indies.
vol. 2, P. 14)

اور یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغلیہ حکومت نے ہندو کمانڈر انچیف تک مقرر کیئے۔ چنانچہ جرنیل مان سنگھ اور جے سنگھ مشہور مثالیں ہیں۔
میں نے یہ چند واقعات مثال کے طور پر لکھے ہیں۔ ورنہ اگر اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو سینکڑوں اور ہزاروں مثالیں اس میں اس قسم کی نظر آسکتی ہیں۔

مولانا مودودی کے ساتویں سوال کے جواب پر تبصرہ

مولانا مودودی صاحب نے ایک تو یہ بحث کی ہے کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کلیدی مناصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ نے اپنی تائید میں قرآن مجید کی بعض آیات پیش کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت

واولی الامر منکم الخ"

پیش کی ہے حالانکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر اگر غیر مسلم بھی ہو تو پھر بھی اس کی اطاعت ضروری ہے البتہ دینی معاملات میں اگر وہ مخالفت کریں۔ تو پھر خدا اور رسول کی اطاعت کرنا ہوگی۔ اولی الامر کی نہیں۔

چنانچہ مولوی ظفر علی خان جو ہماری سخت مخالفت کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اس آیت سے یہی سمجھا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"مسلمان فوجی سپاہیوں نے اپنے مذہبی اور قومی بھائیوں کے خلاف جنگ کر کے اس بات کا بارہا ثبوت دیا ہے کہ اطاعت اولوالامر کے وہ کس درجہ پابند ہیں۔"

(زمیندار ۱۱ نومبر ۱۹۱۱ء)

اور میں نے خود مولانا مودودی صاحب سے ایک تقریب پر ۱۹۴۷ء میں یہ سوال کیا تھا کہ اگر اولی الامر والی آیت غیر مسلم حاکموں پر حاوی نہیں ہے تو قرآن مجید کی کوئی آیت بتائیں جس میں یہ حکم پایا جاتا ہو کہ غیر مسلم اولی الامر کی اطاعت کی جائے بارہ۔ آخر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔

اور اسے یہ علم تھا کہ کروڑوں مسلمانوں نے صدیوں تک غیر مسلم اولی الامر کے ماتحت رہنا تھا۔ ان کے لئے قرآن مجید میں (جو مکمل شریعت ہے) کوئی واضح حکم تو ہونا چاہیئے تھا۔ کہ آیا وہ غیر مسلم حکام کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔ اس سوال کا جواب مولانا صاحب نے صرف یہی دیا تھا کہ میری کتب کا مطالعہ کریں۔ اور اب بھی وہ شاید یہی کہیں گے۔ کیونکہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی موجود نہیں ہے جس میں غیر مسلم اولی الامر کے متعلق یہ حکم پایا جاتا ہو کہ ان کی اطاعت نہ کی جائے۔ بلکہ اُن کے خلاف بغاوت کی جائے اور ان سے وفاداری نہ کی جائے۔ جیسا کہ علماء نے تحقیقاتی عدالت کے سامنے بھی اس قسم کے خیال کا اظہار کیا ہے۔

باقی دو آیات جن میں بطانة اور ولیجة کا ذکر آیا ہے کہ اے مومنو! تم اپنے سوا غیروں کو اپنا شریک راز نہ بناؤ اور جنہوں نے خدا اور رسول اور مومنوں کے سوا دوسروں کو اپنے معاملات میں دلی دوست اور دخیل کار نہیں بنایا۔ یہ دونوں آیتیں محارب قوموں سے متعلق ہیں جن سے جنگ ہو رہی ہو۔ پہلی آیت بھی اور دوسری آیت بھی۔ دوسری آیت سے پہلی آیت ہی یہ ہے :۔

"قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم ویخزھم و ینصرکم علیھم ویشف صدور قوم مؤمنین ٥ و یذھب غیظ قلوبکم الآیۃ"

یعنی ان کفار سے جنگ کرو۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دیگا۔ اور انہیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اور تمہیں

ان کے خلاف مدد دے گا - اور مومنوں کے سینوں کو شفا دیگا
اور تمہارے دلوں کے غصہ کو فرد کریگا۔
اور اس کے بعد مولانا صاحب کی پیش کردہ وہ آیت آتی ہے جو اس
سے مراد مخالف جنگ کرنے والی دشمن قوم ہے کہ ان سے اپنے رازدار
اور ولیجہ نہ بناؤ۔
ولیجہ کے معنے امام فراء نے یہ کئے ہیں:۔
"الولیجۃ البطانۃ من المشرکین۔ وقیل کیف تتخذون
دخیلۃ البطانۃ من المشرکین تفشون الیھم اسرارکم
وتعلمونھم امورکم"

(فتح الباری جلد ۲ ص۵۵)

یعنی ولیجہ کے معنے یہ ہیں کہ تم مشرکوں سے دلی دوست نہ بناؤ۔
یعنی تم مشرکوں سے کسی کو اپنا گہرا دوست نہ بناؤ جسے تم اپنے
دل کی باتیں بتاؤ۔ اور مخفی راز ان کے پاس افشا کرو اور
اپنے حالات بتاؤ۔
پس ظاہر ہے کہ یہاں محارب قوم سے اپنے دوست نہ بنانے کا ذکر
ہے۔ ان آیات کا ہرگز وہ مطلب نہیں جو مولانا مودودی صاحب نے لیا ہے
کہ شرکیہ حکومت غیر مسلموں کو یا ماتحت غیر مسلم رعایا کو حکومت کے
نظام میں کلیدی اسامیوں پر مقرر نہ کیا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان
بادشاہوں نے غیر مسلموں کو کلیدی مناصب پر سرفراز کیا۔ خود اکبر
بادشاہ کے وقت ہندو وزیر تھے۔ اور بڑے بڑے عہدوں پر ہندو
افسر مقرر تھے۔

(۲)

اس سوال کے جواب میں کہ غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی علانیہ اشاعت کا حق حاصل ہے یا نہیں مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ

اس بات میں جہاں تک ہمیں علم ہے نفیاً داثباتاً کوئی احکام نہیں دیئے گئے ہیں۔ نہ اس کی صاف صاف اجازت ہی کا کوئی حکم ہے نہ اس کی صریح ممانعت ہی پائی جاتی ہے۔"

ہمارے نزدیک یہ ایک ایسا اہم سوال ہے جو نہ ایک مذہب والوں سے بلکہ دنیا کے تمام مذاہب سے تعلق رکھتا ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ قرآن مجید جو مکمل شریعت ہے اس کے ذکر سے خاموش رہتا۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید میں دشمنانِ انبیاء کے تبلیغ سے روکنے کی جو مذمت کی گئی ہے اور اس بناء پر انہیں عذاب الٰہی کا مورد بنایا گیا ہے اس کا ماحصل یہی ہے کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ ناجائز اور کسی کی زبان بندی کرنا کہ وہ اپنے خیالات دوسروں تک نہ پہنچا سکے۔ ایک عظیم الشان جرم ہے۔

اسلام غیر مسلموں کو اسلامی حکومت میں اپنے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کی پوری آزادی دیتا ہے۔ اس کا ثبوت مندرجہ ذیل آیات قرآنی سے ملتا ہے:۔

(۱) فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (زمر ع۲ پارہ ۲۳)

یعنی میرے ان بندوں کو خوشخبری دو جو ہر قسم کی کسی بات کو توجہ سے سُننے کے بعد جو اچھی بات معلوم ہو اس کو

قبول کر لیتے ہیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو صریح لفظوں میں یہ تعلیم دی گئی ہے۔ کہ مسلموں اور غیر مسلموں کی باتوں کو سننے کے لیئے ہر وقت آمادہ رہیں۔ اور جو معقول بات کہیں سے بھی ملے اس کو قبول کرنے کے لیئے تیار رہوں۔ حدیث میں بھی ہے۔

کلمۃ الحکمۃ ضالۃ الحکیم اخذھا حیث وجدھا فھو احق بھا۔ (مشکوۃ المصابیح ص۳۲ کتاب العلم)

کہ معقول بات تو حکیم شخص کی اپنی کھوئی ہوئی پونجی ہے پس وہ جہاں سے بھی ملے اسے لینی چاہیئے۔

سورۃ زمر کی مندرجہ بالا آیت میں "القول" یعنی کلام سے مراد ہر قسم کا عام کلام ہے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل ہے۔

تفسیر حسینی میں زیر آیت بالا لکھا ہے:۔

"اور لباب میں ہے کہ ملتوں والوں کے قول مراد ہیں۔ اور سب ملتوں میں دین اسلام احسن ہے۔ اور بہت مشہور یہ بات ہے کہ قول سے وہ باتیں مراد ہیں۔ جو مجلسوں اور محفلوں میں ہوتی ہیں۔ اور اہل دل ان باتوں میں سے بہتر بات کی متابعت کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَر۔ بیت ہے ؎

قول کس چوں بشنوی در وے تامل کن تمام
تا نہ را بداں و در دیہا ئے راکن والسلام

اور تبرا الحقائق میں لکھا ہے کہ قول تمام ہے خدا کا کلام ہو

یا فرشتوں کی بات، یا آدمی کا قول ہو یا شیطان کی بات یا نفس کی۔"

(تفسیر حسینی مترجم اردو المعروف بہ تفسیر قادری جلد ۲ صہ ۳۴۵)

(۲) دوسری آیت جس سے آزادئ تبلیغ کا ثبوت ملتا ہے یہ ہے:-

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ - اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ

(حٰم سجدہ ع ۵ پارہ ۲۴)

کہ اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو دوسروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتا ہے (یعنی تبلیغ اسلام کرے) اعمال صالحہ بجا لاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ غیروں کے اعتراضات کا نرمی اور شرافت سے جواب دو۔ اس طرح تم دیکھو گے کہ تمہارا دشمن بھی تمہارا دوست بن جائے گا۔

اس آیت میں جہاں مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو تبلیغ کریں، وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ تبلیغ کے دوران میں غیر مسلم بھی لازماً اسلام کی تعلیم پر اعتراضات کریں گے۔ پس تمہارا مسلک یہ ہونا چاہیئے کہ صبر اور تحمل سے ان کے اعتراضات کو سنو اور پھر شرافت اور نرمی سے ان کے جواب دو۔

اگر اسلامی نظام میں غیر مسلموں کو زبان بندی کا حکم دینا مقصود ہوتا۔ تو آیت مذکورہ بالا میں ان کے اعتراضات کے دفاع کا ذکر نہ فرمایا جاتا۔

(۱۲) تیسری آیت یہ ہے:-

"قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ"

(بقرۃ ع ۱۳)

یعنی غیر مسلموں سے مطالبہ کرو۔ کہ اگر تمہارے پاس اپنے عقائد کی تائید میں کوئی دلیل ہے تو اس کو پیش کرو۔

اگر غیر مسلموں کو اپنے عقائد کی تبلیغ کی اجازت نہ ہوتی تو اُن سے دلائل کا مطالبہ نہ کیا جاتا۔

(۱۳) چوتھی آیت جس سے اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حق تبلیغ کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ آیۂ مباہلہ ہے جس میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مناظرہ کا ذکر ہے جو الوہیت مسیحؑ کے مسئلہ پر عین مسجد نبوی میں اسلامی ریاست کے اندر عمل میں آیا۔

اگر غیر مسلموں کو اسلامی ریاست کے اندر مسلمانوں کے ساتھ اپنے عقائد اور ان کی تائید میں اپنے دلائل علانیہ بیان کرنے کی ممانعت ہوتی۔ تو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی بحث و مباحثہ کی اجازت نہ دیتے۔

آٹھواں سوال

ڈائریکٹ ایکشن (راست اقدام) کا جواز؟

جواب

ہمارے نزدیک ڈائریکٹ ایکشن کا صحیح ترجمہ "راست اقدام" نہیں ہے بلکہ "براہِ راست اقدام" ہے اور مجلس عمل نے بھی اس کا ترجمہ "براہِ راست اقدام" ہی کیا تھا۔

(۱) ملاحظہ ہو بیان تحریری مجلسِ عمل روبروئے عدالت ہذا صفحہ ۵)

علاوہ ازیں اس کے متعلق آل مسلم پارٹیز کنونشن کی جو قرارداد اخبار آزاد میں شائع ہوئی اس میں "براہِ راست اقدام" ہی لکھا ہے۔ قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:-

"اب موجودہ حکومت سے مرزائیوں کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات منظور ہونے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ آل مسلم پارٹیز کنونشن کا یہ اجلاس اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ بحالات موجودہ قوم کے بنیادی مطالبات کو ممنوانے کیلئے "براہِ راست اقدام" ازبس ناگزیر ہے" (آزاد ۲۰ جنوری ۱۹۵۳ء)

اگر ڈائریکٹ ایکشن سے مراد راست اقدام لیا جائے تو قرارداد کے یہ معنی ہونگے کہ مطالبات کو منوانے کے لئے آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اس سے پہلے جو اقدام کئے وہ راست نہیں تھے اور جو اقدام آئندہ کیا جائیگا وہ راست اور صحیح ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ مفہوم درست نہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ اس سے پہلے آل مسلم پارٹیز کنونشن نے مطالبات کو منوانے کے لئے جو اقدام کیے تھے وہ چونکہ آئینی تھے اس لئے ان کا نتیجہ کچھ نہیں نکلا اور حکومت نے مطالبات کو منظور نہیں کیا۔ اس لئے اب مطالبات کو منوانے کے لئے راہ راست اقدام کیا جائے گا۔ جو غیر آئینی ہوگا جس سے حکومت مطالبات کے ماننے پر مجبور ہو جائیگی۔ ورنہ ارباب حکومت کو حکومت سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے ممبروں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ڈائریکٹ ایکشن کی یہی تشریح کی۔

(۱) مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری نے بیرون موچی دروازہ میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حکومت ڈائریکٹ ایکشن کے بغیر مطالبات تسلیم نہیں کرے گی۔ پروگرام بن چکا ہے اب جو رکاوٹ بھی حائل ہوگا۔ ہم اسے بھی مٹا دیں گے۔"

(آزاد - ۴ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳/۴)

(۲) اس اجتماع میں ماسٹر تاج الدین انصاری نے کہا:-

"اور جو طاقت بھی اس پروگرام میں حائل ہوگی ہم اُسے بھی مٹا دیں گے۔" (آزاد ۴ر فروری ۱۹۵۳ء صفحہ ۱ کالم ۳/۴)

(۳) اسی طرح ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری نے ختم نبوت کانفرنس [illegible] میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم نے حکومت کو ایک ماہ کی مہلت دی ہے۔ اگر ایک ماہ کے بعد بھی حکومت نے کوئی نوٹس نہ لیا، تو پھر ہم خود ہاتھ پاؤں ماریں گے۔ اور جہاں ہمارا ہاتھ پہنچے گا اس چیز کو پکڑ لیں گے۔ خواہ وہ خواجہ ناظم الدین کا گریبان ہو یا کسی اور کا۔"

(آزاد۔ ۱۶ فروری ۵۳ء صفحہ ۲ کالم ۲)

(۴) مجلس عمل راولپنڈی کے زیر اہتمام منعقدہ اجتماع میں ناظم مجلس عمل مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"۲۲ تاریخ تک مسلمانوں کے مطالبات حکومت پورے کر دے۔ ورنہ ناظم الدین کو بھی وزارت چھوڑنی پڑے گی اور اس کے لئے ہم گلی کیا تختہ دار پر بھی چڑھ جائیں گے۔"

(آزاد ۱۳، فروری ۵۳ء)

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے مذکورہ بالا ممبروں کی تقریروں کے اقتباسات سے واضح ہے کہ وہ ڈائرکٹ ایکشن سے مراد غیر قانونی اقدام لیتے تھے جس سے حکومت کا تختہ الٹا جا سکے۔ نہ کہ آئینی اور پر امن اقدام۔

(۵) اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بھی ڈائرکٹ ایکشن اور سول نافرمانی کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ یعنی ڈائرکٹ ایکشن کو جہاد قرار دیا ہے:

فرماتے ہیں:-

"یہاں تمام ملکی حقوق میں ہمارا دخل ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ سول نافرمانی اور ڈائریکٹ ایکشن ہی ایک ایسا طریقہ ہے جس کے ذریعہ حقوق حاصل کئے جائیں۔ بلکہ ایک شریفانہ طریقہ بھی ہے جس سے حقوق حاصل ہو سکتے ہیں۔"
(آزاد" ملتان کانفرنس نمبر مورخہ ۲۶ [illegible] ۱۹۵۱ء ص ۱۱
[illegible] ۷ مئی ۱۹۵۲ء ص ۷ کالم ۱)

لیکن آخر کار آل مسلم پارٹیز کنونشن نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے شریفانہ طریق چھوڑ کر ڈائریکٹ ایکشن کا طریق اختیار کیا۔
ڈائریکٹ ایکشن کے معنی تمام انگریزی ڈکشنریوں میں یہی لکھے ہیں کہ بجائے آئینی اور پارلیمنٹری راستہ اختیار کرنے کے (کہ وہ رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کرکے گورنمنٹ کو پولیٹیکل اقدام کے لئے آمادہ کرے) سٹرائیک وغیرہ کے ذریعہ دباؤ ڈال کر اپنی بات منوانے کی کوشش کرنا۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں ڈائریکٹ ایکشن کے یہ معنے لکھے ہیں:-

"Exertion of pressure on the community by strikes instead of parliament by votes to force political measures on the government."

قرآن مجید کے رُو سے ڈائریکٹ ایکشن ناجائز ہے

قرآن مجید اور احادیث میں کوئی ایسی خاص اصطلاح نہیں ہے جو ڈائریکٹ ایکشن یا براہ راست اقدام کی جگہ استعمال کی جا سکے۔ مگر ڈائریکٹ ایکشن کے مذکورہ بالا مفہوم کے رو سے اسلامی اصطلاح میں اسے ایک قسم کی بغاوت یا خروج علی الحکومت کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ کسی بات کے منوانے کے لئے غیر آئینی طریقہ اختیار کرنا حکومت کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے جو ایک قسم کی بغاوت کے ہم معنے ہے اور بغاوت اسلام میں جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالے قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

"وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ"

(النحل ع ۱۳)

کہ اللہ تعالے منع فرماتا ہے بے حیائی اور ناپسندیدہ بات سے اور بغاوت سے کہ تم آئینی حدود سے تجاوز کرو۔ اور حاکم وقت کی اطاعت سے سرکشی کرو۔

اور غیر آئینی طریق اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ فساد ہوتا ہے چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ذبیح نے اپنی تقریر میں ڈائرکٹ ایکشن کا یہ نتیجہ بتایا ہے۔ کہ:-

"خواجہ ناظم الدین صاحب کو وزارت چھوڑنی پڑے گی اور اس کے لئے ہم جیل کیا تختۂ دار پر بھی چڑھ جائیں گے۔"

ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص خلاف قانون فعل کا مرتکب نہیں ہوگا اور فساد کرے گا تو حکومت اسے جیل بھلا کیوں بھیجے گی یا تختۂ دار پر کیوں لٹکائے گی؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ڈائریکٹ ایکشن کرنیوالے غیر آئینی کارروائی کریں گے جس کا نتیجہ فساد ہوگا۔ اور انہیں جیل جانا پڑے گا۔ اور بعض جو قتل کے مرتکب ہوں گے، انہیں تختۂ دار پر لٹکنا ہوگا۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا"

(اعراف ع ۱۱)

کہ ملک میں اصلاح یعنی امن قائم ہونے کے بعد بدامنی اور فساد کے مرتکب نہ بنو۔

(۲) حکومت کی اطاعت

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"

(نساء ع ۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی۔ اور تم میں سے جو اولوالامر (ارباب حکم) ہیں ان کی بھی اطاعت کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارباب حکومت کے فیصلہ کو ماننے اور ان کی اطاعت کا ارشاد فرمایا ہے۔

آل مسلم پارٹیز کنونشن کے ممبروں کو یہ علم ہو گیا تھا۔ کہ گورنمنٹ پاکستان ان کے مطالبات کے حق میں نہیں تھی۔ اور نہ وہ ان کو منظور کرنا چاہتی تھی۔ اور جی۔ پی۔ سی کی رپورٹ سے بھی ان پر یہ واضح ہو گیا تھا کہ ان کے مطالبات ناقابل منظوری ہیں۔ اس حالت میں قرآن مجید اور سنّت کے مطابق ان پر لازم تھا کہ وہ گورنمنٹ پاکستان کے فیصلہ کو تسلیم کرتے یا آئینی طریق سے انہیں منوانے کی کوشش کرتے اور ڈائریکٹ ایکشن اور قانونی حدود سے تجاوز سے اجتناب کرتے

الغرض قرآن مجید کی رُو سے اپنے مطالبات منوانے کیلئے غیر آئینی طریق یا سول نافرمانی اور بغاوت کا طریق اختیار کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے ملک میں فساد اور فتنہ پھیلتا ہے۔ اور فتنہ کے متعلق یعنی ایسی فتنہ انگیز تحریکیں جن سے قتل و غارت کا باب کھلتا ہے۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۚ (البقرۃ ع ۲۷)

اور فتنہ قتل سے بھی بہت بڑا گناہ ہے یا بلحاظ اپنے بد اثرات اور بد نتائج کے قتل سے بڑا ہے۔

احادیث کی رو سے بھی ڈائریکٹ ایکشن جائز نہیں

(۱) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ کَاَنَّ رَاْسَهٗ زَبِیْبَةٌ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۷ کتاب الاحکام)

سنو! اور اطاعت کرو۔ اگر تمہارے اوپر ایک حبشی غلام کو بھی جس کا سر (منقّٰی کی مانند) چھوٹا سا ہو گورنر یا حاکم بنایا جائے تو پھر بھی اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِیْ اَثَرَةً وَّاُمُوْرًا تُنْکِرُوْنَهَا قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ اَدُّوْا اِلَیْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللّٰهَ حَقَّکُمْ۔

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۵ کتاب الفتن)

میرے بعد تمہیں ایسے حاکموں سے واسطہ پڑیگا جو اپنے آپ کو دنیاوی حقوق میں دوسروں پر ترجیح دیں گے۔ اور

ان میں بہت سی ایسی باتیں بھی ظاہر ہوں گی جنہیں تم ناپسند کرو گے۔ تو صحابہؓ نے عرض کی۔ اے رسول اللہ! آپؐ اس وقت کے لئے ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا، تم ان لوگوں کا حق ادا کرنا۔ یعنی ان کی اطاعت کرنا اور اپنا حق خدا سے مانگنا۔

اس حدیث میں امراء اور حکام کی بے انصافیوں اور خلافِ شرع کاموں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی آپؐ نے فرمایا کہ ان کے خلاف بغاوت کرنے کا حق کسی کو نہیں۔ ان کی زیادتیوں اور ناانصافیوں کے باوجود اطاعت کی ذمہ داری جو تم پہ ہے وہ ادا کرتے رہنا۔ اور تمہارے جو حقوق ان کے ذمہ ہیں ان کے لئے اللہ سے دعا کرنا کہ وہ انہیں تمہارے حقوق ادا کرنے کی توفیق بخشے یا انہیں ایسے حکام سے بدل دے جو تمہارے حقوق ادا کریں۔ ڈائریکٹ ایکشن کی اجازت نہیں دی۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"فیہ الحث علی السمع والطاعۃ وان کان المتولی ظالماً عسوفا فیعطی حقہ من الطاعۃ ولا یخرج علیہ ولا یخلع بل یتضرع الی اللہ تعالی فی کشف اذاہ ودفع شرہ"

(مسلم مع شرح للنووی جلد ۲ صفحہ ۱۲۶)

اس میں حکم کے سننے اور مان لینے کی ترغیب دی گئی ہے اگرچہ حاکم ظالم ہو۔ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے

خلاف خروج نہ کیا جائے۔ اور نہ اسے Denounce کیا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کے آگے تضرع سے دعا کی جائے کہ وہ اس کے شر اور تکلیف کو دور کرنے کے سامان پیدا کرے۔

(۳) وائل بن حجرؓ بیان کرتے ہیں کہ یزید بن سلمۃ الجعفی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔

"ارأیت ان قامت علینا امراء یسئلونا حقھم ویمنعونا حقنا فما تأمرنا قال اسمعوا واطیعوا فانما علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم"

(مسلم مع شرح للنووی جلد ۲ صفحہ ۱۲۷)

فرمایئے! اگر ہم پر ایسے حاکم مقرر ہوں جو ہم سے تو اپنے حقوق لے لیں اور ہمیں ہمارے حقوق نہ دیں۔ تو اس حالت میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ان کا حکم سنو۔ اور ان کی اطاعت کرو۔ جو ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے۔ اس کا مؤاخذہ ان سے ہوگا۔ اور جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے اس کا مؤاخذہ تم سے ہوگا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"من کرہ من امیرہ شیئاً فلیصبر فانہ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ جاھلیۃ"

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ کتاب الفتن)

جس شخص کو اپنے امیر کی کوئی چیز ناگوار گذرے تو اس کو چاہیئے
کہ صبر کرے۔ کیونکہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے بالشت بھر
بھی باہر ہوا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اس حدیث میں بھی حکومت وقت کی اطاعت ضروری قرار دی گئی ہے اور اس کی طرف سے ناگوار چیز کے ظاہر ہونے پر صبر کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں:-

"قال ابن بطال فی الحدیث حجۃ فی ترک الخروج
علی السلطان ولو جار"۔ (فتح الباری جلد ۱۳ ص۵)

کہ امام ابن بطال نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس امر کی
دلیل ہے کہ سلطان کے خلاف خواہ وہ ظلم بھی کرے۔
بغاوت یا خروج نہ کیا جائے۔

اور مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ سلطان و حاکم فسق اور ظلم کی وجہ سے معزول نہیں ہو سکتے۔

"ولا یجوز منازعتہ فی السلطنۃ بذلک"۔

اور اس بناء پر اس سے سلطنت کے بارہ میں منازعت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۵) عوف بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"الا من ولی علیہ وال فرأہ یاتی شیئا من

معصیۃ اللہ فلیکرہ ما یاتی من معصیۃ اللہ و
لا ینزعن یدًا من طاعتہ"

(مسلم مع شرح للنووی جلد ۲ صفحہ ۱۲۹)

سنو! جو کوئی ایسے حکمران کی ماتحتی میں آجائے اور دیکھے
کہ حاکم اللہ تعالیٰ کی کسی امر میں معصیت کا مرتکب ہوتا ہے
تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کی برائیوں سے نفرت کرے لیکن
اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔

دوسری روایت میں ہے جب تم اپنے حاکموں سے
کوئی ایسی بات دیکھو جسے تم برا جانتے ہو۔
"فاکرھوا عملہ ولا تنزعوا یدا من طاعتہ"

(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۷)

تو اس کے عمل سے نفرت رکھو لیکن اس کی اطاعت سے
ہاتھ نہ کھینچو۔

(۶) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہم سے اس بات کی بیعت لی کہ ہم خوشی و غمی اور تنگی و آسانی میں
اور نا انصافی کے باوجود اپنے حاکموں کی باتیں سنیں اور مانیں۔
"وَاَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا
بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ"

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۵)

اور جو صاحب امر ہو اس سے جھگڑا نہ کریں اور نہ اسکی
مخالفت کریں۔ مگر یہ کہ تم اس سے صریح اور بیّن کفر کا

مشاہدہ کرو جس کے کفر ہونے کی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ
کی طرف سے واضح دلیل ہو۔

حافظ ابن حجر العسقلانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ
تمہارے پاس کوئی قرآنی آیت ہو۔ یا صحیح خبر ہو جس میں تاویل کا احتمال
نہ ہو۔ اور علامہ نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"لاتنازعوا ولاۃ الامور فی ولایتھم ولاتعترضوا
علیھم الا ان تروا منھم منکرًا محققًا تعلمونہ
من قواعد الاسلام فاذا رأیتم ذلک فانکروا
علیھم وقولوا بالحق حیثما کنتم اما الخروج علیھم
وقتالھم فحرام باجماع المسلمین وان کانوا فسقۃ
ظٰلمین۔"

(مسلم شرح للنووی ج۲ ص۱۲۵
کتاب الامارۃ)

کہ تم ارباب امر سے ان کی حکومت میں جھگڑا نہ کرو۔ اور نہ
ان پر اعتراض کرو۔ مگر یہ کہ تم ان سے کوئی بری بات دیکھو
جو ثابت و محقق ہو اور جو اسلام کے بنیادی مسائل سے
ہو۔ جب ایسا ہو تو تم اسے برا مناؤ۔ اور جہاں بھی تم ہو
حق بات کہو (یعنی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملاؤ) لیکن ان کے
خلاف لڑائی کے لئے خروج کرنے اور ان سے جنگ کے حرام
ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اگرچہ حاکم فاسق اور ظالم ہو۔

(۲) عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک دن وعظ میں فرمایا۔ کہ

"اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَاَطِيْعُوْا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ وَلَا تُنَازِعُوا الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا اَسْوَدَ" (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۰۲)

کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ اور جس شخص کو خدا تعالیٰ نے تمہارا حاکم بنایا ہے اس کی اطاعت کرو اور حکومت سے جھگڑا مت کرو۔ اگرچہ وہ سیاہ غلام ہی ہو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ حاکم اور سلطان کی اطاعت کرنا لازمی اور ضروری ہے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

ایک حدیث ڈائریکٹ ایکشن کے جواز میں پیش کی جاسکتی ہے اور وہ یہ ہے
"من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه وان لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان" (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۶ بحوالہ مسلم)

کہ جو شخص تم میں سے بُری بات دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے بدل دے۔ اگر اپنے ہاتھ سے بدلنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اس کو بدل دے۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھے تو دل میں اُسے بُرا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

جواب

اس حدیث سے بھی ڈائریکٹ ایکشن کا جواز نہیں نکلتا۔ اس میں منکر

سے مراد خلاف شرع عمل لیا گیا ہے۔ اور اس حدیث کی شرح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں ہاتھ سے برائی کو مٹانے کا حکم صرف امراء اور حکام کو ہے نہ کہ رعایا کو۔ اور زبان سے نصیحت کرنے کا حکم علماء کو ہے اور دل سے برا منانے کا حکم عام مومنوں کو ہے۔

(ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ ص۴۳۸ باب الامر بالمعروف بحوالہ المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری)

اس حدیث میں رعایا کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ حکام کے خلاف محاذ قائم کر کے اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں۔ یا سول نافرمانی یا بغاوت کی راہ اختیار کریں۔ بلکہ برخلاف اس کے حدیث ۵۷۵ میں ذکر آچکا ہے کہ رعایا اگر حاکم سے کوئی معصیت والی بات دیکھے تو اسے دل میں برا سمجھے لیکن اس کی اطاعت کا جوا نہ اتار پھینکے۔

نمبر حدیث ۲ میں خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جن میں تم منکرات (امورًا تنکرونہا) دیکھو گے تو اس حالت میں آپ نے ان کا مقابلہ کرنے کا ارشاد نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ادوا الیہم حقہم واسئلوا اللہ حقکم۔ کہ تم ان کا حق (اطاعت) جو تمہارے ذمہ ہے وہ ادا کرو۔ اور جو تمہارے حقوق ہیں وہ ادا نہ کریں تو انہیں اللہ سے مانگو۔ وہ تمہارے لئے ضرور کوئی راہ نکالے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

"اِنَّ السُّلْطَانَ ظِلُّ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ یَاْوِیْ اِلَیْہِ کُلُّ مَظْلُوْمٍ مِنْ عِبَادِہٖ فَاِذَا عَدَلَ کَانَ لَہُ الْاَجْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّۃِ الشُّکْرُ۔ وَاِذَا جَارَ کَانَ عَلَیْہِ الْاِصْرُ وَعَلَی الرَّعِیَّۃِ الصَّبْرُ۔"

(مشکوٰۃ ص۳۱۵ کتاب الایمان)

کہ سلطان زمین پر خدا کا سایہ ہے جس کی طرف اس کے بندوں میں سے ہر مظلوم پناہ لیتا ہے۔ پس اگر وہ انصاف کرے تو اسکو اجر ملیگا اور رعیت پر شکر واجب ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اس پر بوجھ (گناہ) ہوگا۔ اور رعیت کو صبر کرنا لازم ہے۔

(۹) اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی امیر یا بادشاہ ایسا حکم دیگا جو خدا تعالیٰ کی شریعت کے منافی ہو اور اس میں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی لازم آتی ہو تو ایسے حکم کو نہیں مانا جائیگا۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

"لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰہِ" (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۱۶۷)

کہ ایسی بات میں مخلوق کی اطاعت نہ کی جائے جس سے خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی لازم آتی ہو۔

اور اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مثلاً ایسے حاکموں کا ذکر کیا ہے جو سنت کو مٹانے کی کوشش کرینگے جس سے پتہ لگتا ہے کہ یہاں خالص دینی امور مراد ہیں جو افراد پر واجب ہیں۔ جو بات قرآن اور سنت سے ثابت ہوگی اس کی پیروی کی جائیگی لیکن پھر بھی بغاوت کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ بلکہ یہ حکم دیتا ہے

"فتھاجروا فیھا" (النساء ع ۱۴)

اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے اس میں ہجرت کر جاؤ۔

(۱۰) بادشاہ یا حکومت وقت کی اطاعت کرنے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرنے پر اسلامی شریعت میں اس حد تک زور دیا گیا ہے۔ کہ جب اہل مدینہ نے یزید جیسے بد اطوار اور پلید انسان کی اطاعت سے انحراف کیا۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ صحابی نے بھی ان کے اس فعل کو برا منایا۔

لکھا ہے کہ یزید نے مدینہ پر اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابو سفیان

کو امیر مقرر کیا تھا۔ اس نے مدینہ سے یزید کے پاس ایک وفد بھیجا جن میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ یزید نے اُن کے مناسب حال اُن کا اکرام کیا۔ جب یہ وفد مدینہ واپس آیا۔ تو انہوں نے یزید کے عیوب بیان کئے اور کہا کہ وہ شراب پیتا ہے اور اس طرح اور باتیں بھی اس کی طرف منسوب کیں تب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کے مقرر کردہ امیر کو نکال دیا اور یزید کی بادشاہت سے انکار کر دیا۔ اور اپنی حکومت بنالی۔ تب یزید نے ایک لشکر بھیجا جس نے تین دن کی اہل مدینہ کو مہلت دی۔ تا وہ اپنے فیصلے سے باز آجائیں۔ مگر وہ انکار پر مُصر رہے جنگ ہوئی جس میں یزید کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی اس جنگ میں مدینہ کے بہت سے باشندے مارے گئے اور یہ واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱)

جب اہل مدینہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے سب متعلقین کو جمع کیا اور فرمایا:۔

"انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم غدرًا اعظم من ان یبایع رجل علی بیع اللہ ورسولہ ثم ینصب لہ القتال" (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳ کتاب الفتن)

میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہر ایک عہد شکن کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا جس سے اس کے غدر کی شہرت ہوگی۔ اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید) کی خدا اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑا غدر

اور کوئی نہیں دیکھتا کہ ایک شخص کی خدا اور رسول کے نام پہ بیعت کر کے پھر اس کے خلاف جنگ کی جائے اور اس کی اطاعت سے انحراف کیا جائے۔

الغرض اسلامی شریعت کا یہی حکم ہے کہ جب ایک حکومت قائم ہو جائے۔ تو جو لوگ انفرادی یا اجتماعی لحاظ سے اس حکومت میں بطور رعیت رہنے لگیں انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس حکومت کے اندر رہتے ہوئے قانون شکنی کریں۔ اور اپنے مطالبات منوانے کے لئے خلاف قانون ذرائع اختیار کریں۔ بلکہ ان کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی اطاعت کریں اور جب حکومت کے افعال کے خلاف قانون شکنی یا بغاوت کا احساس دلوں میں پیدا ہو تو اس ملک کو چھوڑ دیں اور کسی اور ملک میں رہ کر اپنے حقوق حاصل کرنے کی جد و جہد کریں۔ مگر جب تک وہ کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوں تو ان کا یہ حق نہیں کہ ملک کا امن اپنے فوائد کے حصول کی خاطر برباد کریں۔ ہاں اگر کوئی حکومت ایسی حالت میں ہجرت کرنے سے جبراً روکے۔ تو اس صورت میں اگر ممکن ہو۔ تو حکومت کا مقابلہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں شورش اور فساد کی ذمہ دار خود حکومت ہوگی نہ کہ مظلوم لوگ۔

تبصرہ برجواب مولانا مودودی صاحب

مولانا مودودی صاحب اصولی طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ کہ "ڈائرکٹ ایکشن" ایک غیر آئینی طریق کار ہے۔ کیونکہ آئین ملکی حکومت کی پالیسی پر اثر انداز ہونے یا اس سے مطالبات تسلیم کرنے کے جو طریقے مقرر کرتا یا جائز رکھتا ہے یہ طریقہ ان میں شامل نہیں ہے۔ اور کوئی آئین احکام کی نافرمانی یا قوانین کی خلاف ورزی کو جائز نہیں رکھتا۔

(پیراگراف ۱۸ دس نکات کا جواب)

لیکن اس کے ساتھ آپ یہ بھی لکھتے ہیں :-

آئین کا احترام اور اس کی پابندی بلاشبہ ملک کے امن وامان کے لئے ضروری ہے اور امن وامان نہایت قیمتی چیز ہے مگر ایک حکومت غیر معقول رویہ اختیار کرکے اور عوام کی مرضی کے خلاف ان پر اپنی مرضی زبردستی ٹھونک کر اور ان کے جائز مطالبات اور اظہار ناراضی کو ٹھکرا کر خود آئین کی بے احترامی کا دروازہ کھولتی ہے اور ایسا رویہ اختیار کرنے کے بعد اسے یہ مطالبہ کرنے کا حق باقی نہیں رہتا۔ کہ لوگ اس کے آئین کا احترام کریں"

(پیرا ۱۵ ج)

اس طرح ڈائریکٹ ایکشن اختیار کرنے والوں کو مولانا مودودی
صاحب نے گویا حق پر قرار دیا ہے۔ اور پھر افسران کی شہادت کا حوالہ
دے کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ احمدیوں کے خلاف مطالبات
کو قوم کی بہت بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی۔ اور قوم کی بھاری
اکثریت کے مطالبات کو حکومت نے ٹھکرایا۔

ہمیں دوسروں کی شہادت پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ
ان کی پوری شہادت پڑھنے سے وہ نتیجہ غلط ثابت ہوتا ہے، جو
مولانا مودودی صاحب نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس بارہ میں ہم خود
مولانا مودودی صاحب کا بیان پیش کرتے ہیں جو ڈائریکٹ ایکشن کا
پروگرام طے کرنے سے چار دن قبل آپ نے ۲۲ر فروری ۱۹۵۳ء
کو خط بنام مجلس عمل میں لکھا۔ اور جسے ناظم صاحب شعبہ نشرو اشاعت
جماعت اسلامی نے "یہ گرفتاریاں کیوں؟" میں شائع کیا۔ اس
میں آپ نے لکھا:۔

"میں اس سے پہلے بھی مجلس عمل کے ذمہ دار حضرات
کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر آخری طور پر یہ عرض کرتا ہوں کہ
اس وقت کسی سخت ایجی ٹیشن کے لئے فضاء بالکل تیار
نہیں ہے اس کی دو وجوہ ہیں۔

۱۔ پنجاب سمیت پورے ملک میں تعلیم یافتہ پبلک کو ابھی تک
اس بارہ میں ہمارے مطالبات کی صحت پر ابھی تک مطمئن
نہیں کیا جا سکا ہے۔

۲۔ خود ہم ہی کو عوام الناس کی بھی درست پنجاب و بہاولپور کی

بلیں اس مطالبہ کی حمایت میں تیار کئے جا سکتے ہیں۔ باقی دوسرے تمام صوبوں اور سب سے بڑھ کر بنگال کے عوام اس سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ اس صورت میں صرف پنجاب اور بہاولپور کے عوام کو لڑا کر کیسے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے؟"

(صفحہ ۲۹ "یہ گرفتاریاں کیوں")

اس بیان کی موجودگی میں مولانا مودودی صاحب کا حکومت کو مطعون کرنا کہ اس نے ایسے مطالبات کو کیوں ٹھکرا دیا جن کو عوام کی بہت بڑی اکثریت کی تائید حاصل تھی نہ صرف ایک بہت بڑی غلط بیانی ہے، بلکہ اپنی ضمیر کی بھی خلاف ورزی اور تقویٰ کے بھی منافی ہے۔

پھر اس بیان کی موجودگی میں ان کے لئے زیبا نہ تھا کہ وہ حکومت کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن اختیار کرنے والوں کی تائید کرتے۔

پھر اس میں اپنی اور جماعت اسلامی کی ڈائریکٹ ایکشن سے براءت بھی ظاہر کی ہے حالانکہ موجودہ فسادات کی وجوہات یا جن مطالبات کے عدم تسلیم کو باعث فساد بنایا گیا۔ ان پر بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ سوال اصولی تھا جواب بھی اصولی ہونا چاہئے تھا۔ مگر "چور کی ڈاڑھی میں تنکا" کے بموجب مولانا مودودی صاحب نے فسادات پنجاب کی وجوہات اور مطالبات پر ایک طویل بحث لکھ دی۔ اور اپنے آپ کو ڈائریکٹ ایکشن سے بری قرار دیا۔ مگر کیا درحقیقت وہ ڈائریکٹ ایکشن کے مخالف تھے، اور انہوں نے اس سے بیزاری کا اعلان کیا تھا۔ اس کا جواب مسٹر تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ سے درج ذیل ہے:۔

"جماعت کو خوب معلوم تھا۔ کہ ڈائریکٹ ایکشن سے کیر

پروگرام سے نہایت خوفناک قسم کے فسادات رُونما ہوں گے کیونکہ مولانا مودودی نے اپنی بعض تقریروں میں جو "تسنیم" میں شائع ہوئیں لفظ "جنگ" استعمال کیا۔ اور ۱۰ر جنوری کو لاہور میں موچی دروازہ کے باہر تقریر کرتے ہوئے ہندو مسلم فسادات کا حوالہ بھی دیا۔

اس امر کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ جماعت نے ڈائریکٹ ایکشن سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہو۔ اس کی نامنظوری ظاہر کی ہو۔ یا اس کی مذمت کی ہو .... اور جب جماعت اسلامی کے لیڈر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے حکومت کی سر توڑ کوششوں میں جو ۵ر مارچ کو فسادات کے روکنے کے لئے کر رہی تھی، کسی قسم کا تعاون پیش نہ کیا۔ تو ہمارے نزدیک جماعت کی ذمہ داری میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا۔ بلکہ اس کے برعکس مولانا نے سرکشانہ رویہ اختیار کیا۔ اور تمام اتہامات کا الزام حکومت پر عائد کیا۔ فسادی عناصر کو "تشدد کا شکار" کہہ کر ان سے تمام ہمدردی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ ہاؤس میں انہوں نے جو رویہ اختیار کیا۔ اس کے متعلق جو شہادت پیش ہوئی ہے اس سے ہم یہی اثر قبول کر سکتے ہیں کہ وہ پورے نظامِ حکومت کے انہدام کی توقع کر رہے تھے۔ اور حکومت کی موجودہ پریشانی اور حواس کی پراگندگی بجا ہے نیز اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھ لی جائے۔ کہ اسلامی جماعت کا مقصد اقتدار حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ اس کے

خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے ماتحت مذہبی ادارت کے قیام کا مقصد حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ یہی ہے تو اس امر میں ذرا بھی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ جو کچھ ہو رہا تھا۔ اسے جماعت اسلامی کی پوری تائید و حمایت حاصل تھی۔ لہذا ڈائریکٹ ایکشن کی منظوری سے اور اس پروگرام سے جو مجلس عمل نے کراچی میں ۲۶ر فروری کو طے کیا تھا اور گورنر جنرل اور وزیر اعظم پاکستان کی کوٹھیوں پر رضاکاروں کے دستے بھیجے جائیں۔ اور مولانا ابوالحسنات کو تحریک کا پہلا ڈکٹیٹر مقرر کیا جائے جو طبعی نتائج پیدا ہوئے ان کی ذمہ داری جماعت پر بھی عائد ہوتی ہے"۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت فسادات پنجاب ۱۹۵۳ء

ص ۲۷۰، ۲۷۱ بزبان اردو)

فاضل ججان تحقیقاتی عدالت کے اس فیصلہ کے بعد ہمیں مولانا مودودی صاحب کے بقیہ جواب پر کسی اور تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نواں سوال

احمدیوں کی مطبوعات

جو عامۃ المسلمین کے مذہبی جذبات و احساسات کی توہین کرتی ہوں؟

جواب

ہمارے نزدیک جماعت احمدیہ کی کوئی ایسی مطبوعات نہیں ہیں اور جس قدر تحریروں کا حوالہ مجلس عمل یا مجلس احرار یا جماعت اسلامی اور مولانا مودودی نے اپنے تحریری بیانات میں دیا ہے۔ ان کا تفصیلی جواب ہم عدالت میں داخل کر چکے ہیں۔

دسواں سوال

دیگر مسلمانوں کی مطبوعات جن سے احمدیوں کے عقائد کی توہین ہوتی ہو؟

جواب

ان کتابوں کے نام معہ ان اقتباسات کے جن میں حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ اور احمدیہ عقائد کی توہین کی گئی ہے معزز عدالت کی خدمت میں ایک مجموعہ کی صورت میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔